My Telegram Channel : New Madarsa

فیض الحواشی

لحل اسئلۃ

اصول الشاشی

مرتب
محمد عبداللہ قاسمی
فاضل دارالعلوم دیوبند

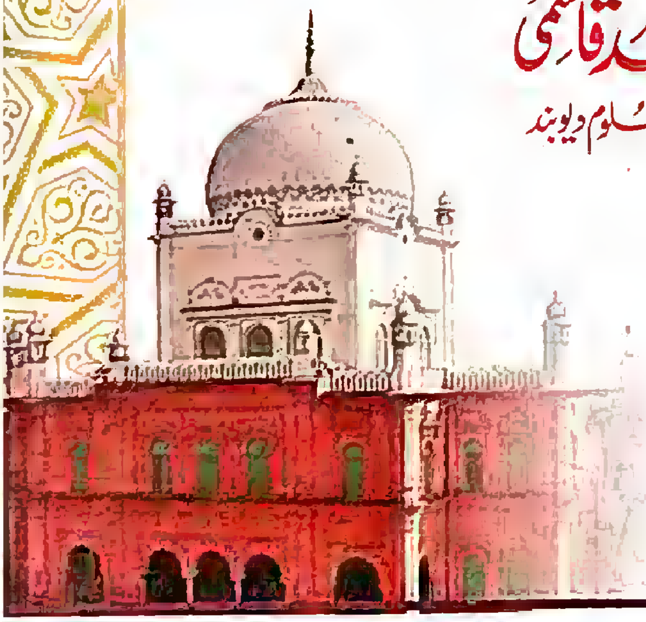

باہتمام:
قاری فیض الحسن اعظمی

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیض الحواشی

لحل أسئلة

اصول الشاشی

مرتب

محمد عبداللہ القاسمی عفی عنہ

باہتمام

فیض الحسن اعظمی

ناشر

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

01336-223460, 9358911053

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

فیض الحواشی لحل اسئلۃ اُصول الشاشی

اصطلاحات

اصـــول: اصل کی جمع ہے لغوی اعتبار سے اصل وہ چیز ہے جس پر کوئی چیز قائم ہو یعنی اس پر کسی چیز کی بنیاد ہو۔ اور اصطلاح کے اعتبار سے اصل دلائلِ شرعیہ یعنی کتاب، سنت اور اجماع کا نام ہے۔

فقہ کے لغوی معنی سمجھنے کے ہیں اور اصطلاح کے اعتبار سے فقہ اُحکامِ شرعیہ عملیہ کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام ہے۔

اصـولِ فقـہ: نام ہے ایسے قواعد کے جاننے کا جن کے ذریعہ احکامِ شرعیہ کو ان کے تفصیلی دلائل سے مستنبط کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

اصولِ فقہ کی دو تعریفیں کی جاتی ہیں: (۱) حدِّ لقبی (۲) حدِّ اضافی

حدِّ لقبی: کہتے ہیں کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کے مجموعہ کی ایک ساتھ تعریف کی جائے۔

حدِّ اضافی: کہتے ہیں کہ مضاف اور مضاف الیہ کی علیحدہ علیحدہ تعریف کی جائے۔

اصـول فقہ کا موضوع: ادلۂ شرعیہ ہیں اس حیثیت سے کہ وہ احکامِ عملیہ تک پہنچاتے ہوں۔

اصـول فـقـہ کـی غرض و غایت: احکامِ شرعیہ کو ادلۂ تفصیلیہ سے جاننا اور استخراجِ مسائل کے قواعد کا معلوم کرنا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

قیاسِ شرعی: وہ قیاس ہے جو قرآن یا حدیث یا اجماع سے ماخوذ و مستنبط ہو۔

قیاسِ لغوی: وہ قیاس ہے جس میں ایک اسم ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف کسی علتِ مشترکہ کی وجہ سے متعدی ہو جائے۔

قیاسِ شبھی: وہ قیاس ہے جس میں ''حکم'' علت مشاکلت فی الصورہ کی وجہ سے ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف متعدی ہو جائے۔

قیاسِ عقلی: وہ قول ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جن کے تسلیم کر لینے کے بعد ایک دوسرے قول کا تسلیم کرنا لازم آئے۔

وحی متلو: وہ کتاب اللہ ہے۔

وحی غیر متلو: وہ سنتِ رسول اللہ ہے۔

کتاب: وہ قرآن ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی ہو مصاحف میں لکھی ہوئی ہو اور آپ سے بغیر کسی شبہ کے بطریقۂ تواتر منقول ہو۔

سنت: لغت میں طریقہ اور راستہ کو کہتے ہیں۔

اصطلاح میں سنت وہ ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً ثابت ہو۔

اجماع: لغت میں اتفاق کو کہتے ہیں۔

اور شریعت میں امتِ محمدیہ ﷺ کے مجتہدین کا کسی زمانہ میں کسی امر پر اتفاق کرنا اجماع کہلاتا ہے۔

قیاس: لغت میں: ناپنے اور برابر کرنے کو کہتے ہیں۔

اور اصطلاحِ شرع میں: قیاس، فرع کو حکم اور علت میں اصل کے ساتھ برابر کرنا ہے۔

فرض: وہ حکمِ شرعی ہے جس کا شارع نے یقینی طور پر کسی دلیلِ قطعی کی وجہ سے مطالبہ کیا ہو اس میں کسی شبہ کے بغیر۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

واجب: وہ حکمِ شرعی ہے جس کا شارع نے یقینی طور پر کسی دلیلِ ظنی کی وجہ سے مطالبہ کیا ہو۔

نفل اور مستحب: وہ حکمِ شرعی ہے جس کے کرنے والے کو ثواب دیا جائے اور اس کا تارک مستحقِ ملامت نہ ہو۔

حرام: وہ حکمِ شرعی ہے جس سے رکنے کا شارع نے مطالبہ کیا حتمی طور پر کسی ایسی دلیلِ قطعی کی بنیاد پر جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔

بیانِ تفسیر: یہ ہے کہ لفظ کی مراد واضح نہ ہو اس کے مجمل یا مشترک ہونے کی وجہ سے پھر متکلم اپنے بیان کے ذریعے اس کی مراد کو واضح کرے۔

بیانِ تقریر: یہ ہے کہ کلام کو مؤکد کرنا ایسی چیز کے ذریعے جو مجاز یا خصوصیت کے احتمال کو ختم کردے۔

بیانِ تغییر: یہ ہے کہ متکلم کے بیان کی وجہ سے اس کے کلام کے معنی بدل جائیں اور یہ شرط یا استثناء پر معلق کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

بیانِ ضرورۃ: وہ ایسا بیان ہے جو ضرورت کے طریقہ پر حاصل ہو یعنی اس نوع کا بیان جو غیر موضوع لہٗ کے لئے واقعہ ہو۔

بیانِ تبدیل: نسخ کو کہتے ہیں اور نسخ حکمِ اول کو بعد میں آنے والی نصِ شرعی سے ختم کرنے کا نام ہے۔

خاص: ایسا لفظ ہے جو معنی معلوم کے لئے بطورِ انفراد وضع کیا گیا ہو۔

عام: ایسا لفظ ہے جو تمام افراد کو شامل ہو خواہ لفظاً ہو یا معنیً۔

مشترک: ایسا لفظ ہے جو دو مختلف معنی کے لئے یا مختلفۃ الحقائق معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

مؤول: ایسا لفظ ہے کہ جس کے بعض معانی کو غالب رائے کی وجہ سے ترجیح دی گئی ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ظاھر: ایسا کلام ہے کہ جس کی مراد سامع کے سامنے محض سننے کی وجہ سے بغیر غور وفکر کے ظاہر ہو جائے۔

نص: وہ ہے جس کی وجہ سے کلام لایا گیا ہو۔

مفسر: وہ ہے کہ جس کی مراد لفظ سے متکلم کے بیان کی وجہ سے ایسے طور پر واضح ہو جائے کہ اس کے ساتھ تاویل وتخصیص کا احتمال باقی نہ رہے۔

محکم: وہ ہے جو قوت کے اعتبار سے مفسر پر اس طور پر بڑھا ہوا ہو کہ وہ تاویل وتخصیص اور نسخ کا احتمال بالکل نہ رکھے۔

خفی: وہ ہے جس کی مراد صیغہ کے علاوہ کسی دوسرے عارض کی وجہ سے پوشیدہ ہو۔

مشکل: وہ ہے جس کا خفاء خفی کے خفاء سے بڑھ کر ہو۔

مجمل: وہ ہے جس کا خفاء مشکل کے خفاء سے بڑھ کر ہو۔

متشابہ: وہ ہے جس کا خفاء مجمل کے اوپر اس طور پر بڑھا ہوا کہ اس کی مراد بالکل معلوم نہ ہو۔

حقیقت: ایسا لفظ ہے جس سے وہ معنی مراد ہو جس کے لئے اس کو وضع کیا گیا ہو۔

مجاز: ایسا لفظ ہے جس سے ماوضع لہ کا غیر مراد لیا جائے ان دونوں کے درمیان کسی مناسبت کی وجہ سے

صریح: ایسا لفظ ہے جس کی مراد واضح ہو۔

کنایہ: یہ ایسا لفظ ہے کہ اس کے معنی بغیر قرینہ کے سمجھ میں نہ آئیں۔

عبارۃ النص: وہ ہے جس کی وجہ سے کلام کو لایا جائے اور اسی کو قصداً مراد لیا جائے۔

اشارۃ النص: وہ ہے جو نص سے ثابت ہو، لیکن کلام اس کی وجہ سے نہ لایا گیا ہو اسی لئے وہ من وجہ ظاہر ہوگا۔

دلالۃ النص: وہ ہے جو علۃ النص کی وجہ سے لغۃً ثابت ہو نہ کہ اجتہاداً۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اقتضاء النص: وہ ہے کہ جس پر نص کی وجہ سے عمل کرنا ممکن نہ ہو مگر اس شرط کی وجہ سے جو اس پر مقدم ہو۔

امر: لغۃً: قائل کا اپنے علاوہ سے بر سبیل بلندی کچھ کہنا۔
اور اصطلاحاً: فعل کا غیر پر لازم کرنا۔

اداء: اور وہ عینِ واجب کا حوالہ کرنا ہے امر کی وجہ سے۔

اداء کامل: اور وہ عینِ واجب کو حوالہ کرنا ہے اس کی صفت میں کمال کے ساتھ۔

اداء قاصر: اور وہ عینِ واجب کو حوالہ کرنا ہے اس کی صفت میں نقصان کے ساتھ۔

اداء شبیہ بالقضاء: وہ ہے کہ جو قضاء کے مشابہ ہو التزام کے اعتبار سے۔

قضاء: مثلِ واجب کو حوالہ کرنا ہے امر کی وجہ سے۔

قضاء کامل: مثل واجب کو اداء کرنا ہے صورۃً اور معنیً۔

قضاء قاصر: مثل واجب کا ادا کرنا ہے صرف معنیً۔

قضاء مثل معقول: مثلِ معقول سے مراد یہ ہے کہ اس کی مماثلت کا عقل کی وجہ سے ادراک کیا جائے شریعت سے قطع نظر کرتے ہوئے۔

قضاء مثل غیر معقول: مثل غیر معقول سے مراد یہ ہے کہ مماثلت شرعاً ہی مدرک ہو اور عقل اس کی کیفیت کے ادراک سے قاصر ہو۔

قضاء فی معنی الاداء: اس سے مراد وہ ہے جو اداء کے معنیٰ میں ہو اس طور پر کہ وہ قضاءِ محض کے برخلاف ہو اور قضاءِ محض وہ ہے جس میں اداء کے معنیٰ بالکل نہ ہوں۔

حسن لعینہٖ: وہ مامور بہ ہے کہ جس کی ذات ہی میں حسن اور اچھائی ہو۔

حسن لغیرہٖ: وہ مامور بہ ہے جس کے اندر حسن اور اچھائی غیر کے واسطہ سے آئی ہو۔

مطلق: وہ قدرت کی ادنیٰ مقدار ہے جس کی وجہ سے مامور اس چیز کے اداء کرنے پر قادر ہو جائے جو اس کو لازم ہو جائے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کامل: اداء کے لئے قدرتِ میسرہ کا پایا جانا ہے۔

مطلق عن الوقت: ایسا امر ہے جو وقت کے ساتھ مقید نہ ہو۔

مقید بالوقت: ایسا امر ہے جو وقت کے ساتھ مقید ہو۔

نھی: لغۃً: قائل کا اپنے علاوہ کو بر سبیلِ استعلاء کسی چیز سے منع کرنا۔

اصطلاحاً: فعل کے چھوڑنے کو غیر کے اوپر لازم کرنا۔

قبیح لعینہ: وہ قبیح لعینہ ہے جس کی ذات ہی کے اندر قبح ہو ان اوصاف سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اس کے لئے لازم ہیں اور ان عوارض سے جو ملے ہوئے ہوتے ہیں قبیح لعینہ سے۔

قبیح وضعی: وہ قبیح لعینہ ہے جو قبیح عقلی کے لئے وضع کیا گیا ہو ورودِ شرع سے قطع نظر کرتے ہوئے۔

قبیح شرعی: وہ قبیح لعینہ ہے جس کی قباحت کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہو۔

قبیح لغیرہ: وہ ہے کہ اس کی ذات غیر قبیح ہو قطع نظر اوصافِ لازمہ اور عوارضِ مجاورہ سے۔

قبیح وصفی: وہ قبیح لغیرہ ہے کہ جس میں قبح منہی عنہ کا ایسا وصف ہو جو اس کے لئے لازم ہو اس سے جدا نہ ہوتا ہو۔

قبیح مجاوری: وہ قبیح لغیرہ ہے کہ جس میں قبح بعض اوقات میں منہی عنہ سے ملا ہوا ہو اور دوسرے بعض اوقات میں اس سے جدا ہو جاتا ہو۔

افعال حسیہ: وہ افعال ہیں جن کے معانی شریعت کے وارد ہونے سے پہلے معلوم ہوں، اپنے حال پر باقی ہوں، شریعت کی وجہ سے متغیر نہ ہوں۔

افعال شرعیہ: وہ افعال ہیں جن کے معانی اصلیہ شریعت کے آنے کے بعد بدل گئے ہوں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) اُصول الشاشی: ص ر ۷

وَفَرَّعَ عَلٰى هٰذَا أَنَّ التَّخَلِّيَ لِنَفْلِ الْعِبَادَةِ أَفْضَلُ مِنَ الْاِشْتِغَالِ بِالنِّكَاحِ، وَاَبَاحَ اِبْطَالَهُ بِالطَّلَاقِ كَيْفَ مَاشَاءَ الزَّوْجُ مِنْ جَمْعٍ وَتَفْرِيْقٍ، وَاَبَاحَ اِرْسَالَ الثَّلَاثِ جُمْلَةً وَاحِدَةً، وَجَعَلَ عَقْدَ النِّكَاحِ قَابِلًا لِلْفَسْخِ بِالْخُلْعِ.

(الف): عبارت پر اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "هٰذَا" کا مشارٌ الیہ اور "فَرَّعَ" کے فاعل ومفعول کی تعیین کیجیے۔

(د): عبارت بالا کے ہر مسئلہ کو مع اختلاف ائمہ بوضاحت لکھیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور امام شافعیؒ نے اسی اصل پر (کہ نکاح ان کے نزدیک عقودِ مالیہ کی طرح ہے) یہ حکم متفرع کیا ہے کہ نفل عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرنا نکاح میں مشغول ہونے سے افضل ہے اور امام شافعیؒ نے طلاق کے ذریعہ نکاح باطل کردینے کو مباح قرار دیا ہے، جس طرح شوہر چاہے، خواہ تینوں طلاقوں کو ایک طہر میں جمع کر کے یا متفرق کر کے (یعنی تین طلاقوں کو تین طہروں میں) اور امام شافعیؒ نے تین طلاقوں کو یکبارگی بھیجنے اور واقع کرنے کو بھی مباح قرار دیا ہے اور امام شافعیؒ نے نکاح کو خلع کے ذریعہ قابلِ فسخ بنایا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ج): وفرع اي الإمام الشافعيؒ على هذا اي على ان النكاح عندهٗ كالعقود المالية. واضح رہے کہ "ان التخلي الخ" پورا جملہ بتاویلِ مفرد ہوکر "فرع" کا مفعول ہے۔

(د): **تشریح:** مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح چونکہ بیع واجارہ کی طرح ہے کہ اس میں نہ کوئی قربت ہے اور نہ اقامتِ سنت، تو نفلی عبادت کے لیے تخلی اور خلوت گزینی بہتر ہے، نکاح کا مشغلہ اختیار کرنے سے، جس طرح سے کہ بیع وشراء کے مقابلہ میں نفلی عبادت بہتر ہے۔

واباح ابطاله الخ: اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح چونکہ عقدِ مالی کی طرح ہے اور عقدِ مالی مثلاً بیع کو جس طرح ممکن ہو فسخ کیا جاسکتا ہے، خواہ اقالہ کے ذریعہ یا خیارِ عیب وغیرہ کے ذریعہ تو اسی طرح نکاح کو بھی طلاق کے ذریعہ جس طرح شوہر چاہے باطل کردے درست ہے، مثلاً تین طلاقیں جمع کرکے دی جائیں اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ طہرِ واحد میں یکے بعد دیگرے تینوں طلاقیں دے دی جائیں، یا تفریق کرکے ہر ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے۔

واباح ارسال الثلث الخ: نیز امام شافعیؒ نے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کو بھی مباح قرار دیا ہے۔ مثلاً "أنتِ طالق ثلاثًا" کہا جائے۔ "جملة واحدة" کا یہی مطلب ہے کہ شوہر یکبارگی تین طلاقیں واقع کرے۔

وجعل عقد النكاح الخ: اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح چونکہ عقدِ مالی کی طرح ہے، اس لیے جس طرح بائع ومشتری کی رضامندی سے بیع کو فسخ کردیا جاتا ہے، جس کو اقالہ کہتے ہیں، اسی طرح باہمی رضامندی کے ساتھ شوہر، عورت سے روپیہ پیسہ لے کر نکاح کو فسخ کرسکتا ہے، جس کو خلع کہتے ہیں، لہٰذا امام شافعیؒ نے نکاح کو خلع کے ذریعہ فسخ کرنے کے قابل مانا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر پھر دوبارہ اسی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

عورت سے نکاح ہو جائے تو شوہر کو ازسرِنو تین طلاقوں کا حق حاصل ہوگا۔

احناف فرماتے ہیں کہ نکاح باعثِ ثواب ہے اور نکاح سے بہت سی دینی اور دنیوی مصلحتیں وابستہ ہیں، لہٰذا اگر نکاح کو باطل کرنا ہی ہے اور ایک نعمت سے جدا ہونا ہی ہے تو اس کے لیے ایسے طریقے کو استعمال کیا جائے جس کو شریعت نے پسند کیا ہو یعنی ایک طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے اور وہ طہر ایسا ہو جس میں شوہر نے وطی نہ کی ہو؛ کیونکہ اگر ایسے طہر میں طلاق دی، جس میں وطی کی گئی ہو تو استقرارِ حمل کے امکان کی وجہ سے عدت کے طویل ہونے کا امکان ہے اور عدت کا طویل ہونا عورت کے لیے باعثِ مشقت ہے اور امام صاحبؒ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کو بہت بڑا عیب اور شریعت کے بالکل مخالف سمجھتے ہیں، اور بعض صحابہؓ نے تین طلاقیں دینے والے شخص کو مستوجب قتل سمجھا ہے۔

اور خلع ہمارے نزدیک طلاقِ بائنہ کے درجہ میں ہے نہ کہ فسخِ نکاح کے درجہ میں، لہٰذا پھر اگر اسی عورت سے نکاح ہو جائے تو شوہر باقی ماندہ دو طلاقوں کا حقدار ہوگا اور اگر دو طلاق دینے کے بعد خلع کیا ہے تو چونکہ اب طلاقیں تین ہوگئیں اس لیے یہ عورت احناف کے نزدیک شوہر اوّل کے پاس بغیر حلالہ کے نہیں جاسکتی۔

وأما الصحيح من مذهبه فهو ان الخلع طلاق لافسخ. كذا في التلويح

(۲) اُصول الشاشی: ص/۸

وَقُلْنَا كَذٰلِكَ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. اِنَّهٗ يُوْجِبُ حُرْمَةَ مَتْرُوْكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا وَجَاءَ فِي الْخَبَرِ أَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ سُئِلَ عَنْ مَتْرُوْكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا.

فَقَالَ: كُلُوْهُ فَاِنَّ تَسْمِيَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ قَلْبِ كُلِّ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ فَلَا يُمْكِنُ التَّوْفِيْقُ بَيْنَهُمَا لِاَنَّهٗ لَوْ ثَبَتَ الْحِلُّ بِتَرْكِهَا عَامِدًا لَثَبَتَ الْحِلُّ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

بِتَرْكِهَا نَاسِيًا فَحِينَئِذٍ يَرْتَفِعُ حُكْمُ الْكِتَابِ فَيُتْرَكُ الْخَبَرُ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): یہ مسئلہ کس قاعدہ پر متفرع ہے؟ پہلے اس کو لکھیں پھر عَامِدًا اور نَاسِيًا ترکِ تسمیہ کا حکم بیان کیجیے اور بتایئے کہ متروک التسمیۃ عامداً کی حلت میں کیا خرابی ہے؟

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اسی طرح ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول "وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ" میں کہا کہ یہ قول اس جانور کے حرام ہونے کو ثابت کرتا ہے جس پر جان بوجھ کر بسم اللہ ترک کردی گئی ہو۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متروک التسمیۃ عامداً کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو کھاؤ کیونکہ ہر مسلمان آدمی کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام ہوتا ہے۔ پس آیت اور خبر کے درمیان تطبیق ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ترکِ تسمیہ عامداً سے حلت ثابت ہوجائے تو ترکِ تسمیہ ناسیاً سے جانور کے کھانے کی حلت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی۔ پس اس وقت کتاب اللہ کا حکم بالکل مرتفع ہوجائے گا، لہٰذا خبر کو ترک کردیا جائے گا۔

(ج): **تشریح**: مصنفؒ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے ماقبل میں عام غیر مخصوص منہ البعض کے متعلق بیان کیا تھا کہ اس پر عمل کرنا قطعی ہے اور ظنی شئ اس کے معارض نہیں ہوسکتی تو اسی طرح ہم قرآن کی آیت "وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ" کے متعلق کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ "مَا" عام ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس جانور پر ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو تو اس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جانور کا کھانا حلال نہیں ہے۔

اب بسم اللہ نہ پڑھنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک صورت تو یہ ہے کہ ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھنا بھول گیا ہو۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ بسم اللہ جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہو اور آیت کے عموم میں بظاہر دونوں شکلیں داخل ہیں۔

اب متروک التسمیۃ عامدا و ناسیاً جانور کا کھانا حلال ہے یا حرام اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عمداً تسمیہ ترک کیا گیا ہے تو اس کا کھانا حرام ہے اور اگر ناسیاً ترک کیا گیا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کھانا حرام ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کھانا حلال ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ آیت: "وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ" میں کلمہ "ما" عام ہے جو متروک التسمیۃ عامدًا و ناسیاً دونوں کو شامل ہے، مطلب یہ ہے کہ دونوں جانوروں کا کھانا کہ جس پر جان بوجھ کر یا بھول کر بسم اللہ ترک کر دی گئی ہو کسی کا کھانا بھی حلال نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متروک التسمیہ عامداً کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "كُلُوْهُ فَاِنَّ تَسْمِيَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ قَلْبِ كُلِّ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ" کہ اسے کھاؤ، کیونکہ اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے۔

دوسری حدیث ہے: "اَلْمُؤْمِنُ يَذْبَحُ عَلٰى اِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى سَمّٰى اَوْلَمْ يُسَمِّ"، یعنی مؤمن آدمی اللہ کے نام پر ہی ذبح کرتا ہے، بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔

مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت متروک التسمیہ ناسیاً کو شامل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

نہیں ہے۔

(۱) ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کرتے وقت ترکِ تسمیہ کو فسق فرمایا ہے، حالانکہ ترکِ تسمیہ ناسیاً فسق نہیں ہے، کیونکہ بھول اور سہو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ بندے کی طرف سے جیسا اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لے یا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حدیث میں ہے: "رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَاءُ وَالنِّسْيَانُ" پس معلوم ہوا کہ ترکِ تسمیہ سہواً اس آیت میں داخل نہیں ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ناسی یعنی بسم اللہ بھولنے والا ذاکر کے درجہ میں ہے اور ذکر کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی دل سے گویا اس نے دل میں اللہ کا ذکر کر لیا۔

لہٰذا اس آیت کے تحت ایک فرد باقی رہا کہ اس جانور کا کھانا حلال نہیں جس پر قصداً بسم اللہ ترک کردی گئی ہو۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ بسم اللہ کو قصداً ترک کیا ہو یا سہواً دونوں صورتوں میں اس ذبیحہ کا کھانا حلال ہے اور دلیل میں دو حدیثیں گزر چکیں۔ پس آیت اور حدیث میں تطبیق ممکن نہیں ہے، کیونکہ اگر متروک التسمیہ عمداً کو حلال مان لیں تو متروک التسمیہ ناسیاً کا حلال ہونا بدرجہ اولیٰ ہوگا جیسا کہ متروک التسمیہ ناسیاً کو احناف وشوافع بالاتفاق حلال کہتے ہیں، تو قرآن کے عام کے تحت ایک فرد بھی باقی نہ رہا گویا وَلَا تَاْكُلُوا میں نفی ہے ہی نہیں۔ لہٰذا قرآن کے مقابلہ میں خبرِ واحد کو ترک کر دیا جائے گا، کیونکہ یہ عام غیر مخصوص منہ البعض ہے جو قطعی ہوتا ہے اور خبرِ واحد ظنی ہوتی ہے اور ظنی کے مقابلہ میں قطعی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ احادیث ضعیف ہیں جن سے استدلال کرنے کو وہ خود جائز نہیں سمجھتے۔ لہٰذا متروک التسمیہ عمداً کا کھانا حرام ہوگا، نیز تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے حرام ہونے پر متفق تھے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۳) اُصول الشاشی: ص/۹

وَكَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى وَاُمَّهَاتُكُمُ الَّتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ يَقْتَضِيْ بِعُمُوْمِهٖ حُرْمَةَ نِكَاحِ الْمُرْضِعَةِ وَقَدْ جَاءَ فِي الْخَبَرِ "لَاتَحْرُمُ الْمَصَّةُ وَلَاالْمَصَّتَانِ وَلَاالْإِمْلَاجَةُ وَلَاالْإِمْلَاجَتَانِ" فَلَمْ يُمْكِنِ التَّوْفِيْقُ بَيْنَهُمَا فَيُتْرَكُ الْخَبَرُ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "وَكَذٰلِكَ" کا مشارٌ الیہ واضح کرتے ہوئے مطلب لکھیے اور مثال کو ممثل لہٗ پر منطبق کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ" اپنے عموم کی وجہ سے دودھ پلانے والی کے نکاح کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ چوسنا اور دو مرتبہ چوسنا اور عورت کا ایک مرتبہ پستان کو بچہ کے منہ میں داخل کرنا اور دو مرتبہ داخل کرنا حرمت کو ثابت نہیں کرتا ہے، پس ان دونوں کے درمیان تطبیق و توفیق ممکن نہیں ہے، لہٰذا حدیث کو ترک کر دیا جائے گا۔

(ج): **تشریح**: وَكَذٰلِكَ الخ ای مِثْلُ مَاتَرَكْنَا الْخَبَرَ وَالْقِيَاسَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

بِمُقَابَلَةِ الْعَامِّ الَّذِیْ لَمْ یَخُصَّ مِنْهُ الْبَعْضُ.

سابق میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عام کی دو قسمیں کی تھیں: (۱) عام مخصوص منہ البعض (۲) عام غیر مخصوص منہ البعض یعنی ایک عام تو وہ ہے جس کے بعض افراد کو خاص کر لیا گیا ہو اور دوسرا وہ ہے جس کے کسی فرد کو خاص نہ کیا گیا ہو، یہاں عام غیر مخصوص منہ البعض کا بیان ہے، چنانچہ احناف کے نزدیک عام غیر مخصوص منہ البعض کا حکم یہ ہے کہ وہ مفید یقین اور لزوم عمل کے حق میں خاص کے مرتبہ میں ہے یعنی جس طرح خاص یقین کا فائدہ دیتا ہے اور اس پر قطعاً وحتماً عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عام غیر مخصوص منہ البعض خبر واحد اور قیاس کے مرتبہ میں ہے یعنی جس طرح خبر واحد اور قیاس مفید ظن ہیں اسی طرح عام غیر مخصوص منہ البعض بھی مفید ظن ہے یعنی عام غیر مخصوص کے حکم پر عمل کرنا تو واجب ہوگا، لیکن اس پر اعتقاد اور یقین کرنا واجب نہ ہوگا جیسا کہ خبر واحد اور قیاس کے حکم پر عمل کرنا تو واجب ہے، لیکن اس پر یقین اور اعتقاد کرنا لازم نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: "مَامِنْ عَامٍّ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ مِنْهُ الْبَعْضُ" ہے یعنی ایسا کوئی عام نہیں جو خصوص کا احتمال نہ رکھتا ہو اور احتمالِ خصوص کے ساتھ قطعیت ثابت نہیں ہوتی، للہذا عام غیر مخصوص منہ البعض مفید یقین ومفید قطعیت نہ ہوگا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ عموم اور شمول ایسا معنیٰ مقصود ہے جس کے لیے لفظ عام وضع کیا گیا ہے یعنی لفظ عام عموم وشمول کے لیے وضع کیا گیا ہے اور لفظ جس معنیٰ کے لیے موضوع ہوتا ہے اس معنیٰ پر لفظ کی دلالت قطعی اور حتمی ہوتی ہے۔ الحاصل یہ بات ثابت ہوگئی کہ عام غیر مخصوص منہ البعض یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتا ہے، اس کے مقابلے میں خبر واحد کو ترک کر دیا جائے گا۔ اس کی ایک مثال "وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِیْ الخ" ہے، اس آیت کے اندر لفظ "اَرْضَعْنَ" عام ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر وہ مائیں بھی حرام ہیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، اس آیت کا عموم اس بات کا تقاضا کرتا۔ ہے کہ دودھ پینے والے بچہ پر دودھ پلانے والی مطلقاً حرام ہو خواہ اس نے بچہ کو تھوڑا دودھ پلایا ہو یا زیادہ دودھ پلایا ہو یعنی مطلقاً رضاعت اور دودھ پلانا حرمت کو ثابت کرتا ہے۔

نیز حدیث میں ہے: "قَلِيْلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيْرُهٗ سَوَاءٌ" یعنی تھوڑا دودھ پلانا اور زیادہ دودھ پلانا دونوں برابر ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے، لیکن حدیث اس کے خلاف ہے؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ" اور اُمُّ الفضل رضی اللہ عنہا سے "لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ" مروی ہے۔ یعنی ایک مرتبہ بچہ کا مرضعہ کی پستان کو چوسنا یا دو مرتبہ چوسنا یا دودھ پلانے والی کا اپنی پستان کو بچہ کے منہ میں ایک دفعہ داخل کرنا یا دو دفعہ داخل کرنا حرمتِ رضاعت کو ثابت نہیں کرتا یعنی وہ عورت اس بچہ پر حرام نہیں ہوتی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ حرمتِ رضاعت کم از کم پانچ گھونٹ پلانے سے ثابت ہوگی اور حدیث اس بات پر دال ہے کہ رضاعت کی مقدار قلیل مثلاً ایک گھونٹ یا دو گھونٹ حرمتِ رضاعت کا سبب نہیں ہے، جبکہ قرآن میں مطلقاً "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ... وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ" کہا گیا ہے اور یہ کھلا ہوا تعارض ہے اور قرآن وحدیث میں تطبیق کی کوئی شکل نظر نہیں آتی، لہٰذا خبر واحد کو ترک کر دیا جائے گا اور قرآن کے عموم کو باقی رکھا جائے گا۔

نوٹ: "اَلْمَصَّةُ" بمعنی چوسنا یہ دودھ پینے والے بچہ کا فعل ہے اور "الْإِمْلَاجَةُ" بمعنی پستان کو بچہ کے منہ داخل کرنا یہ مرضعہ کا فعل ہے۔ اور مرضعہ دودھ پلانے والی عورت ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۴) اُصول الشاشی: ص/۹

ذَهَبَ اَصْحَابُنَا اِلٰى اَنَّ الْمُطْلَقَ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِذَا اَمْكَنَ الْعَمَلُ بِاِطْلَاقِهٖ فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ وَالْقِيَاسِ لَايَجُوْزُ. مِثَالُهٗ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ فَالْمَامُوْرُ بِهٖ هُوَ الْغَسْلُ عَلَى الْاِطْلَاقِ فَلَايُزَادُ عَلَيْهِ شَرْطُ النِّيَّةِ وَالتَّرْتِيْبِ وَالْمُوَالَاةِ وَالتَّسْمِيَةِ بِالْخَبَرِ وَلٰكِنْ يُّعْمَلُ بِالْخَبَرِ عَلٰى وَجْهٍ لَّايَتَغَيَّرُ بِهٖ حُكْمُ الْكِتَابِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): عبارت کی تشریح کرتے ہوئے "وَلٰكِنْ يُّعْمَلُ بِالْخَبَرِ الخ" کو مثال سے واضح کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت بااعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** ہمارے اصحابِ احناف اس مسلک کی جانب گئے ہیں کہ کتاب اللہ کا مطلق جب اس کے اطلاق پر عمل کرنا ممکن ہو تو اس مطلق پر خبر واحد اور قیاس کے ذریعہ زیادتی کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کی مثال باری تعالیٰ کے قول "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ" کے اندر ہے پس مامور بہ مطلقاً غسل ہے، لہٰذا اس پر خبر واحد کے ذریعہ نیت، ترتیب، موالات اور تسمیہ کے شرط کی زیادتی نہیں کی جائے گی، لیکن خبر واحد پر اس طریقے سے عمل کیا جائے گا جس سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کتاب اللہ کا حکم متغیر نہ ہو۔

(ج): **تشریح:** مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس فصل میں مطلق اور مقید کو ذکر کیا ہے کیونکہ یہ دونوں بھی کتاب اللہ کی قسموں میں سے ہے اس طور پر کہ یہ دونوں خاص کی قسموں میں سے ہے اور خاص کتاب اللہ کی قسم ہے تو قسم (یعنی خاص) کی قسم (مطلق و مقید) قسم (یعنی کتاب اللہ کی) ہوئی۔

مطلق: مطلق وہ لفظ ہے جو بلا لحاظ اوصاف ذات پر دلالت کرے۔ جیسے: زید

مقید: مقید وہ لفظ ہے جو ذات پر مع صفات کے دلالت کرے جیسے: زَیْدُنِ الْعَالِمُ.

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے علمائے احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کتاب اللہ کے مطلق پر عمل کرنا ممکن ہوگا اس وقت تک خبر واحد یا قیاس کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مطلق کو مقید کرنا بمنزلہ نسخ کے ہے اور خبر واحد و قیاس کے ذریعہ کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں، کیونکہ ناسخ کا منسوخ سے اعلیٰ اور اقویٰ ہونا یا کم از کم مساوی ہونا ضروری ہے، حالانکہ خبر واحد اور قیاس نہ تو کتاب اللہ سے اقویٰ ہیں اور نہ مساوی بلکہ ضعیف و کمزور ہیں، لہٰذا خبر واحد اور قیاس کے ذریعہ اس کی تقیید جائز نہیں۔

اس کی مثال باری تعالیٰ کے قول: "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ" کے اندر وضو کا تذکرہ ہے اور یہ مطلق ہے اس میں اوصاف وشرائط کا لحاظ کیے بغیر اعضائے ثلاثہ کو دھونے اور سر پر مسح کرنے کا حکم ہے، یہی احناف کا مسلک ہے اس کے برخلاف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وضو میں ولاء کو شرط قرار دیتے ہیں۔

اور ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ رَجُلًا صَلّٰى وَفِيْ قَدَمِهٖ لُمْعَةٌ بِإِعَادَةِ الْوُضُوْءِ وَالصَّلٰوةِ" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو اور نماز دونوں لوٹانے کا حکم دیا جس کے پیر میں خشکی تھی، نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء (یعنی اعضاء کو پے درپے اس طرح دھونا کہ پہلا عضو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

خشک نہ ہو پائے) پر مداومت و مواظبت فرمائی ہے اور یہ اس کے شرط ہونے کی علامت ہے اور اصحابِ ظواہر وضو میں بسم اللہ کو ضروری اور شرط قرار دیتے ہیں۔

اور دلیل میں حدیث "لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ" کو پیش کرتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں نیت اور ترتیب فرض ہے اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" سے نیت ثابت ہو رہی ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور وضو بھی ایک عمل ہے نیز وضو ایک عبادت ہے اور کوئی عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی۔

اور ترتیب کے فرض ہونے پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةَ امْرِءٍ حَتّٰى يَضَعَ الطُّهُوْرَ فِيْ مَوَاضِعِهٖ فَيَغْسِلُ وَجْهَهٗ ثُمَّ يَدَيْهِ".

یعنی اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتے، یہاں تک کہ وہ پاکی کو اپنے مواقع میں نہ رکھ لے پس اپنا چہرا دھوئے پھر اپنا ہاتھ دھوئے۔ اس حدیث سے ترتیب ثابت ہو رہی ہے کہ غسلِ وجہ کے بعد غسلِ ید کو "ثُمَّ" حرفِ عطف کے ساتھ لائے اور "ثُمَّ" آتا ہے ترتیب کے لیے، پس معلوم ہوا کہ پہلے منہ دھونا پھر دونوں ہاتھ دھونا پھر سر کا مسح کرنا پھر دونوں پیر دھونے ضروری ہوں گے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب اخبار آحاد ہیں، ان سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی، کیونکہ آیاتِ وضو میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا حکم دیا ہے: ایک غسل کا، دوسرے مسح کا اور یہ دونوں صیغہ خاص ہیں اور مطلق بھی۔ خاص تو اس لیے کہ اس کے معنیٰ متعین ہیں، غسل کے معنیٰ پانی بہانے کے اور مسح کے معنیٰ ہاتھ پھیرنے کے ہیں اور مطلق اس لیے کہ یہ ترتیب، نیت، ولاء اور تسمیہ کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہیں، پس وضو میں مطلقاً اعضائے ثلاثہ (ہاتھ، چہرہ، پاؤں) کو دھونا اور سر کا مسح فرض ہوگا۔

البتہ مذکورہ احادیث پر اس انداز سے عمل کیا جائے گا کہ اس سے کتاب اللہ کا حکم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

متغیر نہ ہو؛ چنانچہ کتاب اللہ کی وجہ سے مطلق غسل اور مطلق مسح فرض ہوگا اور حکمِ اخبار آحاد کی وجہ سے ولاء، نیت، ترتیب، اور تسمیہ سنت ہوں گے۔

(۵) اُصول الشاشی: ص/۱۱

قَالَ اَبُوحَنِيفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَلْمُظَاهِرُ إِذَاجَامَعَ اِمْرَأَتَهُ فِي خِلَالِ الْإِطْعَامِ لَايَسْتَأْنِفُ الْإِطْعَامَ لِأَنَّ الْكِتَابَ مُطْلَقٌ فِيْ حَقِّ الْإِطْعَامِ فَلَايُزَادُ عَلَيْهِ شَرْطُ عَدَمِ الْمَسِيْسِ بِالْقِيَاسِ عَلَى الصَّوْمِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): بتائیے کہ مظاہر کسے کہتے ہیں؟ اور قیاس علی الصوم کا کیا مطلب ہے؟ نیز یہ مثال کس قاعدہ پر متفرع ہے مثال کو قاعدے پر منطبق کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ظہار کرنے والا جب کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کرلے تو وہ ازسرِنو کھانا نہیں کھلائے گا (بلکہ جماع کے بعد ساٹھ کی مقدار پورا ہونے میں جتنے مساکین باقی بچے ہیں ان کو کھلائے گا) کیونکہ کھانا کھلانے کے بارے میں کتاب اللہ (فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا) مطلق ہے، لہٰذا اس پر (اطعامِ طعام پر) جماع نہ کرنے کی شرط کو زیادہ نہیں کیا جائے گا روزہ پر قیاس کرتے ہوئے۔

(ج): **تشریح**: **مظاہر کی تعریف**: اپنی بیوی کو محرماتِ ابدیہ ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کے لیے ناجائز اور حرام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ہو، جیسے: یوں کہے:"انت علي كظهر امي" تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے؛ چنانچہ اب اس شخص کے لیے اپنی اس بیوی سے نہ وطی کرنا حلال ہے اور نہ اس کا بوسہ لینا، اور اگر ظہار کرنے کے بعد وہ اپنے قول سے رجوع کرنا چاہے تو کفارہ کی ادائیگی ضروری ہے، کفارۂ ظہار یہ ہے:"وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَاقَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا" یعنی کفارہ ادا کرنے کے لیے جماع سے پہلے ایک غلام یا باندی آزاد کرنا ضروری ہے اور جماع سے قبل کی قید آیتِ مذکورہ کے جزء "مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا" سے مفہوم ہو رہی ہے، اور اگر غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے اور روزوں میں بھی قبل الجماع یعنی "مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا" کی قید مذکور ہے، اور اگر بیماری یا ضعف کی وجہ سے اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو پیٹ بھر کے دونوں وقت کھانا کھلائے یا غلہ فی کس صدقۂ فطر کی مقدار سے ادا کرے اور اس آخری کفارہ میں قبل الجماع یعنی "مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا" کی قید مذکور نہیں ہے، لہٰذا اگر مظاہر نے مسکینوں کو کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کرلیا، مثلاً تیس چالیس یا اس سے کچھ کم و بیش مسکینوں کو کھانا کھلا کر جماع کر بیٹھا اور پھر وطی کے بعد باقی مسکینوں کو کھانا کھلا کر ساٹھ کی مقدار کو پورا کردیا تو کفارہ صحیح ہو جائے گا، از سرِ نو ساٹھ مسکینوں کو کھانا نہیں کھلانا پڑے گا؛ کیونکہ کتاب اللہ میں اطعامِ طعام کے ذریعہ کفارہ ادا کرنا مطلق ہے، اس کو کفارہ بالصوم پر قیاس کرکے اس میں عدمِ مسیس یعنی قبل الجماع کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعیؒ قبل الجماع کی قید بڑھاتے ہیں کہ تمام کفاروں کی جنس چونکہ ایک ہے تو جس طرح روزوں کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے کی شکل میں یہ ضروری ہے کہ دو ماہ کے مکمل روزے رکھنے سے پہلے اگر جماع کرلیا تو کفارہ صحیح نہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ہوگا، اسی طرح اگر مکمل ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے پہلے جماع کرلیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا، بلکہ ازسرنو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں پہلے دو کفاروں میں "مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا" کی قید مذکور ہے مگر کفارہ بذریعۂ اطعام میں یہ قید مذکور نہیں ہے؛ لہٰذا اگر وہاں بھی یہ قید عنداللہ مراد ہوتی تو اس قید کا قرآن میں ضرور تذکرہ ہوتا، اور جب قرآن پاک میں یہ قید مذکور نہیں ہے تو ہم اپنی طرف سے محض کفارہ بالصوم پر قیاس کرکے اس قید کا اضافہ نہیں کریں گے، بلکہ مطلق کو اس کے اطلاق پر اور مقید کو اس کی تقیید پر جاری رکھا جائے گا؛ کیونکہ مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے اور اس پر قطعی طور سے عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا اطعامِ طعام کے اندر قبل الجماع کی شرط لگانا جائز نہ ہوگا۔

(۶) اُصول الشاشی: ص/۱۲

اَلْمُشْتَرَکُ مَاوُضِعَ لِمَعْنَیَیْنِ مُخْتَلِفَیْنِ اَوْ لِمَعَانٍ مُّخْتَلِفَةِ الْحَقَائِقِ، مِثَالُهٗ قَوْلُنَا جَارِيَةٌ فَإِنَّهَا تَتَنَاوَلُ الْاَمَةَ وَالسَّفِيْنَةَ، وَالْمُشْتَرِیْ فَإِنَّهٗ يَتَنَاوَلُ قَابِلَ عَقْدِ الْبَيْعِ وَكَوْكَبَ السَّمَاءِ، وَقَوْلُنَا بَائِنٌ يَحْتَمِلُ الْبَيْنَ وَالْبَيَانَ، وَحُكْمُ الْمُشْتَرَكِ أَنَّهٗ إِذَا تَعَيَّنَ الْوَاحِدُ مُرَادًا بِهٖ سَقَطَ اِعْتِبَارُ إِرَادَةِ غَيْرِهٖ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے اور مطلب لکھیے۔

(ج): مشترک کا حکم بیان کرنے کے بعد لفظ "قُرُوْء" کے معنیٰ میں احناف و شوافع کا اختلاف لکھیے اور عبارت میں مذکور قاعدہ پر منطبق کیجیے۔

جواب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(الف): عبارت بااعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** مشترک وہ لفظ ہے جو دو مختلف معانی کے لیے یا چند مختلفۃ الحقائق معانی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ مشترک کی مثال ہمارا قول "جَـارِیَۃ" ہے پس وہ باندی اور کشتی دونوں کو شامل ہے اور ہمارا قول لفظ "مُشْتَرِیْ" ہے پس وہ عقد بیع قبول کرنے والے اور آسمان کے ستارے کو شامل ہے اور ہمارا قول "بَائِنٌ" ہے پس وہ بین یعنی جدائیگی اور بیان یعنی ظاہر ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ اور مشترک کا حکم یہ ہے کہ جب ایک معنیٰ مراد ہو کر متعین ہو جائے تو اس معنیٰ کے علاوہ کو مراد لینے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

(ج): **تشریح:** لفظ کی وضع کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں: (۱) خاص (۲) عام (۳) مشترک (۴) مؤول۔

اس فصل میں مشترک و مؤول کا بیان شروع کر رہے ہیں دونوں کو ایک ہی فصل میں جمع کیا، کیونکہ مؤول مشترک ہی ہوتا ہے، بس فرق یہ ہے کہ جب تک کسی ایک معنیٰ کو ترجیح نہ دی گئی ہو تو وہ مشترک ہے اور جب کسی ایک معنیٰ کو مراد لے لیا گیا ہو تو اب وہ مؤول بن جائے گا۔

مشترک کی تعریف: مشترک وہ لفظ ہے جو ایسے دو معانی یا چند معانی کے لیے وضع کیا گیا ہو جن کی حقیقتیں مختلف ہوں، بشرطیکہ ہر ایک معنیٰ کا واضع الگ الگ ہو اور اگر ایک ہی واضع ہو تو دوسرے معنیٰ کے لیے وضع کرتے وقت وہ معنیٰ اوّل کے لیے وضع کرنا بھول گیا ہو۔ دو معنیٰ کے لیے موضوع ہونے کی مثال جیسے لفظ "جَـارِیَۃٌ" اس کے ایک معنیٰ باندی کے ہیں اور دوسرے معنیٰ کشتی کے ہیں۔ دوسری مثال "مُشْتَرِیْ" ہے کہ اس کے ایک معنیٰ عقدِ بیع کو قبول کرنے والے کے ہیں اور دوسرے معنیٰ ستارے کے ہیں اور تیسری مثال "بَـائِنٌ" ہے کہ اس کے ایک معنیٰ فرقت اور جدائیگی کے ہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جبکہ مُشتق من البین و البیونة ھو بابِ ضرب سے اور دوسرے معنیٰ ظاہر ہونے کے ہیں جبکہ مشتق من البیان ھو بابِ ضرب سے۔ اور دو سے زائد معانی کے لیے موضوع ہونے کی مثال لفظ عین ہے جو چند معانی میں مشترک ہے: (۱) آنکھ (۲) دریا (پانی کا چشمہ) (۳) ذات (۴) سونا (۵) سورج (۶) جاسوس۔

واضح رہے کہ لفظ مشترک جن معانی کے لیے موضوع ہوتا ہے وہ معانی کبھی اعیان کے قبیل سے ہوتے ہیں جیسے: جَارِیَةٌ اور مُشْتَرِیٌ کے معانی اعیان کے قبیل سے ہیں یعنی ان کا مستقل ایک وجود ہے اور لفظ بائن اعراض کے قبیل سے ہے یعنی بائن کے معنیٰ جدا ہونے اور ظاہر ہونے کے ہیں اور یہ دونوں معنیٰ عرضی ہیں جو کسی نہ کسی کے ساتھ متصف ضرور ہوں گے۔

مشترک کا حکم: مشترک کے معانی میں سے جب ایک معنیٰ کسی قرینہ یا دلیل یا قیاس یا خبر واحد سے متعین ہو جائے تو دوسرے معنیٰ کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے جیسے مثال مذکور میں باندی کے معنیٰ متعین ہو جائیں تو کشتی کے معنیٰ کا اعتبار ختم ہو جائے گا؛ کیونکہ مشترک کے معانی میں سے بیک وقت دو معانی مراد نہیں لے سکتے۔ علماء کرام نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ:

"وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ" کے اندر قروء سے مراد یا تو حیض ہے جیسا کہ احناف کے نزدیک، یا طہر ہے جیسا کہ شوافع کے نزدیک ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیت "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ" کے اندر اس آزاد عورت کی عدت کا بیان ہے جس کو خلوتِ صحیحہ کے بعد ایک یا دو طلاقِ رجعی یا طلاقِ بائنہ دی گئی ہو اور اس کو حیض بھی آتا ہو تو اس عورت کی عدت کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس عورت کی عدت تین حیض قرار دیتے ہیں اور امام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

شافعی رحمۃ اللہ علیہ تین طہر اور دونوں حضرات کا مستدل یہی آیت ہے۔

اس آیت کے اندر لفظ "قُرُوْءٌ" استعمال ہوا ہے جو قَرْءٌ کی جمع ہے، جس کے معنیٰ حیض وطہر کے اندر مشترک ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اِس سے حیض مراد لیتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ طہر؛ چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت میں لفظ ثَلاَثَۃ عدد معلوم اَ ! معرفت میں خاص ہے یعنی لفظ ثلاَثَۃ معین عدد دو سے زائد اور چار سے کم کو بتلاتا ہے یعنی تین کو لہٰذا اس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور عمل اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب کہ لفظ قروء سے مراد حیض ہو اور عدت حیض کے ذریعہ سے گزاری جائے، کیونکہ اگر عدت طہر کے ذریعہ سے گزاری جائے اور قروء کو طہر پر محمول کیا جائے جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تو ثـلاثۃ کے مقتضیٰ کو ترک کرنا لازم آئے گا کیونکہ اگر لفظ قروء کو طہر پر محمول کیا جائے تو تین طہر ثابت نہیں ہو پائیں گے بلکہ دو طہر اور تیسرے کا بعض حصہ ثابت ہوگا، اور تیسرے سے مراد وہ طہر ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

اس طور پر کہ اگر عدت طہر کے ذریعہ شمار کی جائے اور طلاقِ شرعی بھی طہر ہی میں دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس طہر کا کچھ نہ کچھ حصہ گزر چکا ہوگا، لہٰذا جس طہر میں طلاق دی جائے اس کی دو صورتیں ہیں: وہ یہ کہ اس طہر کو عدت میں شمار کیا جائے یا عدت میں شمار نہ کیا جائے۔

پس اگر اس طہر کو عدت میں شمار کریں کـمـاهو عند الشوافع اور اس کے علاوہ بقیہ دو طہر مزید عدت میں شامل کیے جائیں تو اس صورت میں دو طہر مکمل اور تیسرے کا (یعنی وہ پہلا طہر جس میں طلاق واقع ہوئی ہے) بعض حصہ عدت ہوگا اور اگر اس طہر کے علاوہ مزید تین طہر اور عدت میں شمار کیے جائیں تو اس صورت میں تین طہر مکمل اور چوتھے (یعنی پہلا طہر) کا بعض حصہ عدت ہوگا اور کسی بھی صورت میں ثـلاثۃ کے مقتضیٰ (یعنی پورا کا پورا تین نہ اس سے کم اور نہ زائد) پر عمل نہیں ہو پائے گا۔ لہٰذا جب قـروء کے معنیٰ حیض متعین ہو گئے تو دوسرے معنیٰ یعنی طہر کو مراد لینے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

لان حكم المشترك أنه إذا تعيّن الواحد مراداً به سقط اعتبار ارادة غيره.

(۷) اُصول الشاشی: ص؍۱۳

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: إِذَا اَوْصٰى لِمَوَالِي بَنِيْ فُلَانٍ وَلِبَنِيْ فُلَانٍ مَوَالٍ مِنْ اَعْلٰى وَمَوَالٍ مِنْ اَسْفَلَ فَمَاتَ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ فِيْ حَقِّ الْفَرِيْقَيْنِ لِاسْتِحَالَةِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا وَعَدَمِ الرُّجْحَانِ وَقَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: إِذَا قَالَ لِزَوْجَتِهٖ أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّيْ لَايَكُوْنُ مُظَاهِرًا.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): آپ پہلے اس ضابطہ کو بیان کیجیے جس پر یہ مسائل متفرع ہو رہے ہیں پھر ان مسائل کی مدلل تشریح کیجیے اور بتائیے کہ مولیٰ اعلیٰ اور مولیٰ اسفل سے کیا مراد ہے؟

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی فلاں کے بیٹوں کے موالی کے لیے وصیت کرے اور فلاں کے بیٹوں کے کچھ موالی اعلیٰ ہیں اور کچھ موالی اسفل پھر وصیت کرنے والا شخص مرجائے تو وصیت دونوں فریقوں کے حق میں باطل ہو جائے گی۔ ان دونوں فریقوں کے درمیان وصیت کے جمع ہونے کے محال ہونے اور کسی ایک کے حق میں ترجیح نہ ہونے کی وجہ سے اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جب شوہر اپنی بیوی سے کہے: "أنتِ علی مثل أمي" یعنی تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے تو وہ ظہار کرنے والا نہیں کہلائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ج): **تشریح:** یہ مسئلہ اسی ضابطہ پر متفرع ہے کہ احناف کے نزدیک مشترک کے اندر بالکل عموم نہیں ہوتا یعنی عموم مشترک جائز نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کسی آدمی نے یہ وصیت کی کہ یہ مال فلاں قبیلہ کے موالی کے لیے ہے اور اس قبیلہ کے موالی اعلیٰ (آزاد کنندہ) بھی ہیں اور موالی اسفل (آزاد کردہ) بھی ہیں تو وصیت ان دونوں کے حق میں باطل ہو جائے گی۔

صورتِ مسئلہ اس طرح ہے: مثلاً زید کا ایک غلام ہے ارمان، اور زید نے اپنے غلام ارمان کو آزاد کر دیا پھر ارمان نے بہت مالدار ہونے کے بعد ایک غلام خریدا سلمان پھر ارمان نے بھی اپنے غلام سلمان کو آزاد کر دیا تو اب دیکھئے کہ ارمان کے دو مولیٰ ہوئے ایک مولیٰ اعلیٰ یعنی زید جس نے ارمان کو آزاد کیا تھا اور دوسرا مولیٰ اسفل یعنی سلمان جس کو اَرمان نے آزاد کیا تھا اب کسی آدمی نے یہ وصیت کی کہ دس ہزار روپے ارمان کے موالی کے لیے ہیں اور دونوں موالی میں سے کسی ایک کے لیے وجہ ترجیح بھی بیان نہ کر سکا اور مر گیا تو دونوں فریقوں میں وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ اگر وصیت کا مال مولیٰ اعلیٰ اور مولیٰ اسفل دونوں کو دے دیا جائے تو عموم مشترک لازم آئے گا اور عموم مشترک امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اگر دونوں میں سے ایک کو وصیت کا کل مال دے دیں تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور یہ بھی درست نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ عموم مشترک، جائز ہے، اس لیے ان کے نزدیک دونوں قسم کے موالی کو وصیت کا مال دے دیا جائے گا اور ایک جگہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں۔

وقال أبو حنيفه إذا قا الخ: اسی طرح ایک اور مسئلہ ملاحظہ ہو کہ اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی سے "أنت علي مثل امي" کہا تو اس میں لفظ مثل مشترک ہے کرامت اور حرمت کے اندر اور شوہر نے یہ وضاحت نہیں کی کہ تو میری ماں کے مشابہ ہے اعزاز و

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اکرام میں یا مشابہ ہے حرمتِ نکاح میں تو عدمِ ترجیح کی بناء پر حرمت کی جہت راجح نہ ہوگی۔ پھر حرمت کی دوصورتیں ہیں: ایک بصورتِ ظہار، دوم بصورتِ طلاق یا یوں کہہ لیجیے کہ "أنتِ عليّ مثل أمي" تین معانی میں مشترک ہے ایک ظہار، دوم کرامت، سوم طلاق یعنی اس کلام کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تُو مجھ پر میری ماں کے مشابہ ہے، ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تُو میرے نزدیک میری ماں کی طرح محترم ومکرم ہے اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ تُو مجھ پر حرام ہے۔ پہلی صورت میں کلام ظہار پر محمول ہوگا اور دوسری صورت میں اکرام واعزاز پر اور تیسری صورت میں طلاق بائن پر محمول ہوگا، پس یہ لفظ چونکہ تین معانی کے درمیان مشترک ہے، لہٰذا بغیر نیت کے کسی معنیٰ کو ترجیح حاصل نہ ہوگی اور یہ کلام لغو ہوگا، الّا یہ کہ وہ کسی معنیٰ کا ارادہ کرلے تو اس کلام کو اسی معنیٰ پر محمول کرلیں گے۔

نوٹ: مولیٰ اعلیٰ سے معتِق بالکسر یعنی آزاد کنندہ اور مولی اسفل سے معتَق بالفتح یعنی آزاد کردہ غلام مراد ہے جیسا کہ مسئلہ مذکورہ کے تحت آچکا ہے۔

(۸) اُصول الشاشی: ص/۱۳

وَعَلٰى هٰذَا قُلْنَا لَايَجِبُ النَّظِيْرُ فِيْ جَزَاءِ الصَّيْدِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ لِأَنَّ الْمِثْلَ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْمِثْلِ صُوْرَةً وَبَيْنَ الْمِثْلِ مَعْنًى وَهُوَ الْقِيْمَةُ وَقَدْ أُرِيْدَ الْمِثْلُ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى بِهٰذَا النَّصِّ فِيْ قَتْلِ الْحَمَامِ وَالْعُصْفُوْرِ وَنَحْوِهِمَا بِالْاِتِّفَاقِ فَلَايُرَادُ الْمِثْلُ مِنْ حَيْثُ الصُّوْرَةِ إِذْلَاعُمُوْمَ لِلْمُشْتَرَكِ أَصْلًا.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ج): ''وعلیٰ ھذا'' کا مشارٌ الیہ متعین کر کے مطلب بوضاحت تحریر کیجیے۔

(د): نیز بتایئے کہ ''بالاتفاق'' سے کن لوگوں کا اتفاق مراد ہے؟

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** اور اسی اصل کے بناء پر ہم نے کہا کہ شکار کی جزاء میں اللہ تعالیٰ کے قول ''فجزآء مثل ماقتل من النعم'' کی وجہ سے نظیر (یعنی مثل صوری) واجب نہ ہوگا اس لیے کہ لفظ مثل، مثل صوری اور مثل معنوی کے درمیان مشترک ہے اور مثل معنوی اس شکار کیے ہوئے جانور کی قیمت ہے۔ اور تحقیق کہ کبوتر اور چڑیا اور ان جیسوں کے شکار میں اس نص کی وجہ سے بالاتفاق مثل معنوی مراد لے لیا گیا ہے، لہٰذا اب مثل صوری کی زیادتی نہیں کی جائے گی، کیونکہ مشترک کے لیے بالکل عموم نہیں ہوتا ہے۔

(ج): **تشریح:** وعلیٰ ھذا الخ: أی علیٰ ان المشترک لاعموم له اصلًا. یعنی مشترک میں امام صاحبؒ کے نزدیک بالکل عموم نہیں ہوتا ہے، اسی اصل کی بناء پر ہم احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حالتِ احرام میں شکار کر لیا تو بدلے میں اس پر مثلِ صوری یعنی نظیر واجب نہ ہوگا بلکہ مثل معنوی یعنی قیمت واجب ہوگی۔ کیونکہ محرم کے لیے شکار کرنا ممنوع ہے، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ''.

''اے ایمان والو! تم بحالتِ احرام شکار مت کرو''

اور اگر کسی نے شکار کر لیا یعنی کسی جانور کو مار ڈالا تو قرآن پاک کی اس آیت:

''وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْکُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ هَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَةِ اَوْکَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْعَدْلُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ذٰلِکَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ“

کے اندر اس کی جزاء، مثل مقتول کے اللہ نے بیان فرمائی ہے اور لفظ مثل، مثل صوری و معنوی کے درمیان مشترک ہے۔ مثل صوری سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور جسامت اور خلقت میں شکار کردہ جانور کے برابر اور اس کی نظیر ہو جیسے ہرن کا مثل صوری بکری ہے اور خرگوش کا مثل صوری بکری کا بچہ ہے سال پورا ہونے سے پہلے اور مثل معنوی سے مراد شکار شدہ جانور کی قیمت ہے۔

علمائے حجازیین امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور احناف میں سے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جن جانوروں کا مثل صوری موجود ہے ان کو شکار کرنے کی صورت میں تو مثلِ صوری ہی واجب ہوگا، مثلاً ہرن کا شکار کرنے کی صورت میں بکری واجب ہوگی اور خرگوش کا شکار کرنے کی صورت میں بکری کا بچہ واجب ہوگا اور شترمرغ کی شکار میں بدنہ واجب ہوگا۔ البتہ جن جانوروں کا مثلِ صوری موجود نہیں ہے، مثلاً چڑیا اور کبوتر ان کو قتل کرنے کی صورت میں مثلِ معنوی یعنی قیمت واجب ہوگی، جس کو اس جگہ یا اس کے قریب کے رہنے والے دو انصاف پسند آدمی متعین کریں گے، پھر وہ لوگ بااختیار ہوں گے اگر چاہے تو اس قیمت کی ہدی خرید کر صدقہ کردے یا اس روپیے سے کھانا خرید کر صدقہ کردے اور ہر فقیر کو نصف صاع گیہوں دے یا ایک صاع کھجور یا جو دے یا چاہے تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور کے بدلہ روزہ رکھے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مثل معنوی یعنی قیمت ہی کے قائل ہیں خواہ مقتول جانور کا مثل صوری موجود ہو یا نہ ہو، کیونکہ اگر کسی نے کبوتر یا عصفور کا قتل کیا تو چونکہ ان کا کوئی مثل صوری نہیں ہے تو باتفاقِ علمائے کرام مقتول کی قیمت ہی کا صدقہ کرنا پڑے گا، لہٰذا جب آیت میں مثل سے کبوتر اور چڑیا کے قتل میں مثل معنوی مراد لے لیا گیا تو اب ہر صورت میں مثل معنوی ہی واجب ہوگا، مثل صوری کی زیادتی نہیں کی جائے گی، کیونکہ اگر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مثلاً ہرن کے شکار میں تو مثل صوری یعنی بکری لازم قرار دیں اور عصفور و کبوتر میں قیمت تو مشترک میں عموم لازم آئے گا، حالانکہ احناف کے نزدیک عموم مشترک بالکل جائز نہیں۔

(ج): "بالاتفاق" سے امام صاحبؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا اتفاق مراد ہے، کیونکہ آیتِ مذکورہ میں مستعمل لفظ "مثل"، مشترک ہے، مثل صوری و مثل معنوی کے درمیان اور نص کی وجہ سے کبوتر اور چڑیا میں ان حضرات نے مثل معنوی مراد لے لیا، لہٰذا اب مثل صوری کا اعتبار کرنا ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنا محال ہے۔

(۹) اُصول الشاشی: ص/۱۴

كُلُّ لَفْظٍ وَضَعَهُ وَاضِعُ اللُّغَةِ بِإِزَاءِ شَيْءٍ فَهُوَ حَقِيْقَةٌ لَهُ وَلَوِ اسْتُعْمِلَ فِيْ غَيْرِهِ يَكُوْنُ مَجَازًا لَاحَقِيْقَةً، ثُمَّ الْحَقِيْقَةُ مَعَ الْمَجَازِ لَايَجْتَمِعَانِ إِرَادَةً مِّنْ لَفْظٍ وَّاحِدٍ فِيْ حَالَةٍ وَّاحِدَةٍ وَلِهٰذَا قُلْنَا لَمَّا أُرِيْدَ مَايَدْخُلُ فِي الصَّاعِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ "لَاتَبِيْعُوا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ وَلَاالصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ" سَقَطَ اِعْتِبَارُ نَفْسِ الصَّاعِ حَتّٰى جَازَ بَيْعُ الْوَاحِدِ مِنْهُ بِالْاِثْنَيْنِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): مطلب لکھتے ہوئے حقیقت و مجاز کی تعریف مع امثلہ تحریر کریں۔

(د): ثم الحقیقۃ مع المجاز الخ کی وضاحت کرتے ہوئے "ارادۃ من لفظ واحد"، "فی حالۃ واحدۃ" مذکورہ تینوں قیود کا فائدہ تحریر کریں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ب): **ترجمہ:** ہر وہ لفظ جس کو واضع لغت نے کسی شی کے مقابلہ میں وضع کیا ہو تو وہ لفظ اس شیٔ کے لیے حقیقت ہے اور اگر وہ لفظ اس شی کے علاوہ کسی اور معنی میں مستعمل ہو تو وہ مجاز ہو گا نہ کہ حقیقت، پھر حقیقت مجاز کے ساتھ ایک حالت میں ایک لفظ سے مراد ہو کر جمع نہیں ہوں گے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "لاتبیعوا الدرهم بالدرهمين ولاالصاع بالصاعين". سے وہ سامان مراد لے لیا گیا جو صاع میں داخل ہے (گیہوں، جو، چاول) تو اب نفسِ صاع (لکڑی کا پیمانہ) کا اعتبار کرنا ساقط ہو گیا حتیٰ کہ نفس صاع میں سے ایک صاع کو دو صاع کے بدلے بیچنا جائز ہے۔

(ج): **تشریح:** فاضل مصنفؒ نے حقیقت و مجاز کی تعریف اصطلاحی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہر وہ لفظ جس کو واضع لغت نے کسی معین شی کے مقابلہ میں وضع کیا ہو تو وہ لفظ اس شی کے لیے حقیقت ہو گا جیسے اسد بول کر محض درندہ یعنی شیر مراد لینا"۔

"اور اگر وہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا گیا ہو تو وہ لفظ مجاز ہو گا حقیقت نہیں جیسے لفظ "اسد" بول کر رجلِ شجاع مراد لینا، مگر اس کے لیے کسی قرینہ کا ہونا ضروری ہے، جیسے مثلاً کوئی کہے: رأيت أسدا في الحمام یا رأيت أسدا يرمي تو اسد کا غسل خانہ میں ہونا یا کسی چیز کو پھینکنا اس بات پر قرینہ ہے کہ اس سے کوئی آدمی مراد ہے۔

فوائد قیود: کل لفظ وضعه واضع اللغة الخ: حقیقت کی تعریف میں چونکہ وضع کا لفظ مذکور ہے، اس لیے وضع کے معنیٰ اور اس کے اقسام کو جان لینا ضروری معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وضع کہتے ہیں لفظ کو کسی معنیٰ کے لیے اس طرح متعین کرنا کہ وہ لفظ اس معنیٰ پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ کا محتاج نہ ہو۔ پھر اس وضع کی چار قسمیں ہیں: (۱) وضع لغوی (۲) وضع شرعی (۳) وضع عرفی خاص (۴) وضع عرفی عام۔

اس لیے کہ لفظ کو معنیٰ کے لیے متعین کرنا (۱) یا تو واضع لغت کی جانب سے ہو گا (۲) یا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

واضع شرعی کی جانب سے ہوگا (۳) یا کسی مخصوص جماعت کی طرف سے ہوگا (۴) یا عام لوگوں کی جانب سے ہوگا۔ اگر اوّل ہے تو اس کو وضع لغوی کہا جائے گا جیسے لفظ صلاۃ کی وضع دعاء کے لیے ہے اور اگر ثانی ہے تو وضع شرعی ہے جیسے صلاۃ کی وضع ارکانِ مخصوصہ یعنی نماز کے لیے اور اگر ثالث ہے تو وضع عرفی خاص ہے جیسے نحویوں کے یہاں اسم کی وضع اس کلمہ کے لیے ہے جو ایسے مستقل معنیٰ پر دلالت کرے جو کسی زمانہ کے ساتھ مقترن نہ ہو۔ اور اگر رابع ہے تو وضع عرفی عام ہے جیسے لفظ دابۃ کی وضع چوپائے کے لیے۔ الحاصل حقیقت کی تین قسمیں ہوئیں: (۱) حقیقتِ لغویہ (۲) حقیقتِ شرعیہ (۳) حقیقتِ عرفیہ۔

اشکال: مصنفؒ نے حقیقت کی تعریف میں صرف واضع اللغۃ فرمایا ہے، حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ واضع شریعت بھی ہوتی ہے اور عرف بھی ہوتا ہے اور یہ دونوں حقیقت ہی کی انواع ہیں۔ فما الجواب؟

جواب: (۱) مصنفؒ کی مراد واضع لغت سے یا تو وہ ہے جو الفاظ کو اپنے محاورات میں استعمال کرے خواہ وہ شارع ہو یا اہلِ عرف عام و خاص۔ (۲) مصنفؒ نے ابوبکر باقلانی کا مذہب اختیار کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اسم لغوی اگر معنیٰ شرعی یا معنیٰ عرفی میں استعمال کیا گیا ہو تو وہ مجاز کہلاتا ہے، حقیقتِ شرعیہ یا عرفیہ نہیں کہلاتا ہے۔

مصنفؒ نے حقیقت کی تعریف میں کُلُّ لفظ لاکر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حقیقت و مجاز لفظ کے اوصاف میں سے ہیں یعنی حقیقت و مجاز لفظ کی صفت ہوتے ہیں اور "لفظ" حقیقی و مجازی ہوتا ہے معنیٰ یا استعمال حقیقی اور مجازی نہیں ہوتا۔

(د): ثم الحقیقۃ مع المجاز الخ: مصنفؒ نے فرمایا کہ ایک لفظ سے ایک وقت میں حقیقت و مجاز کو مراد نہیں لیا جاسکتا ہے یعنی ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں ایک لفظ سے معنیٰ حقیقی بھی مراد ہو اور معنیٰ مجازی بھی مراد ہو ایسا تو ہوسکتا ہے کہ لفظ دونوں کو بظاہر شامل ہو اور دونوں کا احتمال رکھتا ہو، لیکن دونوں کا ارادہ کرنا یہ قطعاً ناجائز

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ہے، اگر چہ امام شافعیؒ اس کی اجازت دیتے ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح حقیقت لفظ کا مدلول بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اسی طرح مجاز بھی لفظ کا مدلول بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ایک ساتھ دونوں کو مراد لینے سے کوئی مانع بھی موجود نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی نے "لاتنکح مانکح ابوک" کہا تو اس سے معنیٰ مجازی عقد اور معنیٰ حقیقی وطی دونوں مراد ہوں گے۔

اور مطلب یہ ہوگا کہ تو اپنے باپ کی موطوءہ سے نہ عقدِ نکاح کر اور نہ وطی کر۔ اور اس اجتماع میں کوئی استحالہ نہیں ہے، لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ حقیقت اور مجاز کو ایک لفظ سے ایک وقت میں مراد لیا جاسکتا ہے۔ جواب: یہاں جمع بین الحقیقة والمجاز نہیں ہے، بلکہ عموم مجاز مراد ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ حقیقت اپنے محل میں مستقر اور ثابت ہوتی ہے اور مجاز اپنے محل سے متجاوز ہوتا ہے اور یہ بات بالکل محال ہے کہ ایک شئ ایک حالت یعنی ایک وقت میں اپنے محل کے اندر مستقر اور ثابت بھی ہو اور متجاوز بھی۔ جیسا کہ یہ بات محال ہے کہ ایک کپڑا پہننے والے کے بدن پر مِلکاً بھی ہو اور عاریۃً بھی، نیز حقیقت اصل ہے اور مجاز اس کا خلیفہ اور خلیفہ کا ثبوت اصل کے فوت ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ (اُصول الشاشی: ص/۱۴، حاشیہ: ۱۱)

ولھٰذا قلنا الخ: اس مسئلے کی تفصیلی بحث اگلے سوال میں ملاحظہ کریں۔

(۱۰) اُصول الشاشی: ص/۱۴

وَلِهٰذَا قُلْنَا لَمَّا أُرِيدَ مَايَدْخُلُ فِي الصَّاعِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَاتَبِيعُوا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ وَلَا الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ، سَقَطَ اِعْتِبَارُ نَفْسِ الصَّاعِ حَتّٰى جَازَ بَيْعُ الْوَاحِدِ مِنْهُ بِالْاِثْنَيْنِ وَلَمَّا أُرِيدَ الْوِقَاعُ مِنْ آيَتِ الْمُلَامَسَةِ سَقَطَ اِعْتِبَارُ اِرَادَةِ الْمَسِّ بِالْيَدِ. قَالَ مُحَمَّدٌ إِذَا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اَوْصٰی لِمَوَالِیْهِ وَلَهٗ مَوَالٍ اَعْتَقَهُمْ وَلِمَوَالِیْهِ مَوَالٍ اَعْتَقُوْهُمْ کَانَتِ الْوَصِیَّةُ لِمَوَالِیْهِ دُوْنَ مَوَالِیْ مَوَالِیْهِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): مصنفؒ نے حقیقت ومجاز کی جو تعریف کی ہے آپ اسے نقل کریں۔

(د): عبارت کی تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ مذکورہ مسائل کس اصل پر مبنی ہیں؟ نیز ان مسائل کو اس اصل پر منطبق کریں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اسی وجہ سے (یعنی حقیقت ومجاز کا ایک ساتھ جمع ہونا ناجائز ہے) ہم نے کہا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ”لا تبیعوا الدرهم بالدرهمين ولا الصاع بالصاعين“ سے وہ سامان مراد لے لیا گیا جو صاع میں داخل ہے تو اب نفسِ صاع (یعنی لکڑی سے ناپنے کا برتن) کا اعتبار کرنا ساقط ہو گیا۔ اسی وجہ سے نفسِ صاع میں سے (لکڑی کے پیمانہ میں) ایک صاع کو دو صاع کے بدلے بیچنا جائز ہے۔ اور جب آیت ملامست سے جماع مراد لے لیا گیا تو اب مس بالید کے مراد لینے کا اعتبار ساقط ہو گیا۔

(ج): حقیقت کی تعریف: حقیقت ہر وہ لفظ ہے جو اپنے معنیٰ موضوع لہٗ میں استعمال ہو، یعنی واضع لغت جب کسی لفظ کو کسی معنیٰ کے واسطے وضع کر دے اس طرح کہ جب کبھی وہ لفظ بولا جائے تو اس کے وہی معنیٰ موضوع لہٗ بغیر کسی قرینہ کے سمجھ میں آ جائیں، تو یہ حقیقت کہلاتا ہے، جیسے انسان بول کر ذاتِ انسان مراد لینا۔ اسد بول کر شیر مراد لینا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مجاز کی تعریف: اگر کوئی لفظ غیر موضوع لہ معنیٰ میں کسی مناسبت واتصال کی بنا پر استعمال کیا جائے تو مجاز کہلاتا ہے، جیسے اسد بول کر، رجل شجاع (یعنی بہادر آدمی) مراد لینا۔

(د): **تشریح:** مصنفؒ نے اس اصل اور ضابطہ کی بناء پر کہ ایک وقت میں ایک ساتھ حقیقت ومجاز کو مراد لینا درست نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (اور امام شافعیؒ کے نزدیک درست ہے اگر جمع کرنا ممکن ہو) اسی پر چند مسائل متفرع فرما رہے ہیں کہ "لَاتَبِيْعُوْا الدِّرهم بالدرهمين و لاالصاع بالصاعين" کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درہم کو دو درہموں کے بدلہ میں اور ایک صاع کو دو صاع کے بدلہ میں بیچنے سے منع فرمایا ہے اور صاع کے حقیقی معنیٰ ہیں لکڑی کا پیمانہ اور مجازی معنیٰ ہیں وہ سامان جو اس کے اندر ہو، مثلاً: گیہوں، جو، چاول وغیرہ۔

اور حدیث کے اندر معنیٰ مجازی ہی مراد ہے، لہٰذا حقیقی معنیٰ یعنی لکڑی کا ایک صاع دو صاع کے بدلے میں فروخت کرنا جائز ہوگا؛ کیونکہ اگر معنیٰ حقیقی بھی مراد لے لیں اور سامان کی طرح نفسِ صاع میں بھی ایک صاع کو دو صاع کے بدلے بیچنا ناجائز قرار دیں تو حقیقت اور مجاز کو ایک ساتھ جمع کرنا لازم آئے گا، جو کہ احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

لہٰذا جب حدیث شریف میں معنیٰ مجازی مراد لے لیے گئے یعنی وہ سامان جو صاع کے اندر ہے، مثلاً گیہوں، جو وغیرہ تو اب نفسِ صاع کا اعتبار ساقط ہوگیا، تو اب لکڑی کے ایک صاع کو دو صاع کے بدلے فروخت کرنا جائز ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں معنیٰ مراد ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک نفسِ صاع کو بھی دو صاع کے بدلے بیچنا ناجائز ہوگا، کیونکہ یہاں دونوں معنیٰ مراد لینا عقلاً محال نہیں، بلکہ ممکن ہے۔

ولما أُريد الوقاع الخ: سے مصنفؒ اسی ضابطۂ مذکورہ پر "مس مرأۃ" سے متعلق ایک مسئلہ بیان کر رہے ہیں، ملامست سے متعلق قرآن کی آیت اس طرح ہے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

"وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا"

"اور اگر تم بیمار ہو یا حالتِ سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے اپنی بیویوں سے ملامست کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلیا کرو"

ملامست کے دو معنیٰ ہیں یعنی حقیقی ہاتھ سے مَس کرنا یعنی بیوی کو ہاتھ سے چھونا اور معنیٰ مجازی جماع کرنا ہے۔

احناف کے نزدیک آیتِ مبارکہ میں صرف معنیٰ مجازی یعنی جماع کرنا مراد ہے، لہٰذا جماع ہی ناقض طہارت ہوگا نہ کہ مس بالید اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کرنا ضروری ہوگا، اور جب ایک معنیٰ متعین کر کے مراد لے لیا گیا تو اب حقیقی معنیٰ یعنی مَس بالید والے معنیٰ کو مراد لینے کا اعتبار ساقط ہو گیا۔ ورنہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں ہے۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی آزاد آدمی نے جو شروع سے ہی آزاد ہو اپنے موالی کے لیے وصیت کی اور اس کے موالی کے بھی موالی تھے۔

مثلاً زید جو شروع سے ہی آزاد ہے اس نے اپنے موالی یعنی اپنے آزاد کردہ غلاموں کے لیے وصیت کی اور زید کے آزاد کردہ غلاموں کے آزاد کردہ غلام بھی ہیں تو وصیت ان آزاد کردہ غلاموں کے حق میں جاری ہوگی جو زید کے براہِ راست آزاد کردہ غلام ہیں، جو کہ موالی کے حقیقی معنیٰ ہیں۔

ان آزاد کردہ غلاموں کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوگی، جو کہ زید کے آزاد کردہ غلاموں نے آزاد کیے ہیں، اس لیے کہ وہ موالی کے مجازی معنیٰ ہیں، کیونکہ اگر دونوں قسم کے موالی مراد لے لیے جائیں تو جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئے گا، جو کہ امام صاحبؒ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(۱۱) أصول الشاشي: ص/۱۵

وَلَئِنْ قَالَ إِذَا حَلَفَ لَايَضَعُ قَدَمَهُ فِيْ دَارِ فُلَانٍ يَحْنَثُ لَوْ دَخَلَهَا حَافِيًا أَوْ مُتَنَعِّلًا أَوْ رَاكِبًا وَكَذٰلِكَ لَوْ حَلَفَ لَايَسْكُنُ دَارَ فُلَانٍ يَحْنَثُ لَوْ كَانَتِ الدَّارُ مِلْكًا لِفُلَانٍ أَوْ كَانَتْ بِأُجْرَةٍ أَوْ عَارِيَةٍ وَذٰلِكَ جَمْعٌ بَيْنَ الْحَقِيْقَةِ وَالْمَجَازِ وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ عَبْدُهُ حُرٌّ يَوْمَ يَقْدَمُ فُلَانٌ فَقَدِمَ فُلَانٌ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا يَحْنَثُ.

(الف): اعراب لگائیے۔ (ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): مذکورہ مسائل میں بظاہر حقیقت ومجاز کا بیک وقت مراد ہونا معلوم ہو رہا ہے آپ ہر مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے مذکورہ اشکال کو دفع کریں، نیز بتائیں کہ "عبدہ حر الخ" میں حانث ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ فلاں کے گھر میں اپنا قدم نہیں رکھے گا تو وہ حانث ہو جائے گا خواہ وہ اس کے گھر میں داخل ہوا ہو ننگے پیر (یہ وضع قدم کے حقیقی معنیٰ ہیں) یا جوتا پہن کر یا سوار ہو کر (یہ دونوں مجازی معنیٰ ہیں) اور اسی طرح (دوسرا اعتراض) اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ فلاں کے گھر میں سکونت اختیار نہیں کرے گا تو وہ حانث ہو جائے گا خواہ وہ گھر فلاں شخص کی ملکیت کا ہو (یہ دار فلاں کے معنیٰ حقیقی ہیں) یا کرایہ یا عاریت کا ہو (یہ دونوں مجازی معنیٰ ہیں) اور یہ (یعنی تمام صورتوں میں حالف کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

حانث ہونا) حقیقت ومجاز کو جمع کرنا ہے (حالانکہ اے حنفیو! تمہارے نزدیک حقیقت ومجاز کا اجتماع ناجائز ہے۔ فما الجواب؟) اور اسی طرح (تیسرا اعتراض) اگر کسی نے کہا اس کا غلام آزاد ہے جس دن فلاں شخص آئے پس وہ فلاں شخص رات میں آئے یا دن میں وہ حانث ہوجائے گا۔ (وذلک أیضًا جمع بین الحقیقة والمجاز فما الجواب أیها الأحناف؟)

(ج): **تشریح:** اس عبارت کے اندر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی بیان کردہ اصل کہ حقیقت ومجاز کا اجتماع محال ہے، اس پر شوافع نے چند اعتراضات کیے ہیں۔

پہلا اعتراض: یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا: "وَاللّٰهِ لاأضع قدمی في دار فلان" بخدا! میں اپنا قدم فلاں کے گھر میں نہیں رکھوں گا تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ شخص اس وقت بھی حانث ہوجائے گا، جب ننگے پیر داخل ہو اور اس وقت بھی جب جوتے پہن کر داخل ہو اور اس وقت بھی جب سوار ہوکر داخل ہو، حالانکہ وضع قدم ننگے پیر داخل ہونے میں حقیقت ہے اور جوتے پہن کر داخل ہونے اور سوار ہوکر داخل ہونے میں مجاز ہے، تو جب دونوں معنیٰ مراد لے لیے گئے تو "جمع بین الحقیقة والمجاز" لازم آیا؛ حالانکہ اے حنفیو! تمہارے نزدیک یہ ناجائز ہے، فما الجواب؟

دوسرا اعتراض: یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھا کر کہا: "واللّٰهِ لاأسکن في دار فلان" بخدا! میں فلاں کے گھر میں سکونت اختیار نہیں کروں گا تو یہ شخص اس وقت بھی حانث ہوگا جب فلاں کے دارِ مملوکہ مسکونہ میں داخل ہوگا یہ "دارفلان" کے حقیقی معنیٰ ہیں اور اس وقت بھی حانث ہوگا جب فلاں کے کرایہ پر لیے ہوئے گھر میں داخل ہو اور اس وقت بھی جب فلاں کے عاریت پر لیے ہوئے گھر میں داخل ہوگا یہ دونوں دارفلاں کے مجازی معنیٰ ہیں۔ پس جب آپ کے نزدیک تمام صورتوں میں حالف حانث ہوجاتا ہے تو جمع بین الحقیقة والمجاز لازم آیا، حالانکہ آپ اس کو ناجائز کہتے ہیں، فما الجواب أیها الأحناف؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

تیسرا اعتراض: یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا: "عبدي حر يوم يقدم فلان" میرا غلام آزاد ہے جس دن فلاں شخص آئے تو یہ شخص اس وقت بھی حانث ہو جائے گا، یعنی اس کا غلام آزاد ہو جائے گا جب کہ فلاں شخص دن میں آیا ہو اور اس وقت بھی جبکہ فلاں شخص رات میں آیا ہو، پس لفظ یوم چونکہ دن کے معنیٰ میں حقیقت اور رات کے معنیٰ میں مجاز ہے، اس لیے یہاں بھی دونوں صورتوں میں حانث ہونے کی وجہ سے "جمع بین الحقیقۃ والمجاز" لازم آئے گا، حالانکہ آپ کے نزدیک یہ ناجائز ہے۔

مذکورہ تینوں اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ ان جگہوں میں "جمع بین الحقیقۃ والمجاز" کی وجہ سے حالف حانث نہیں ہوا ہے، بلکہ عموم مجاز مراد ہونے کی وجہ سے حانث ہوا ہے اور عموم مجاز کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کے ایسے عام معنیٰ مراد لیے جائیں کہ حقیقت ومجاز دونوں اس عام معنیٰ کے فرد بن جائیں، لہٰذا وضع قدم سے دخول مراد ہے عموم مجاز کے طریقہ پر وہ جس طریقے پر بھی داخل ہو، ننگے پیر یا جوتے پہن کر یا سواری پر سوار ہو کر؛ لہٰذا حالف ان تمام صورتوں میں عموم مجاز کی وجہ سے حانث ہوگا۔

"جمع بین الحقیقۃ والمجاز" کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا اور جب یہ بات ہے تو "جمع بین الحقیقۃ والمجاز" کا اعتراض وارد نہ ہوگا اور دخول، وضع قدم کا مجاز اس لیے ہے کہ وضع قدم سبب ہے اور دخول اس کا مسبب ہے، کیونکہ دخول بلا وضع قدم ہوگا ہی نہیں اور سبب بول کر مسبب مراد لینا مجاز ہے، لہٰذا وضع قدم بول کر دخول مراد لینا مجاز ہوگا اور وضع قدم مطلق دخول میں حقیقت عرفیہ ہے، نیز دخول کی دونوں شکلوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ حالف کا مقصد دخول سے باز رہنا ہے، لہٰذا اگر دخول پایا گیا خواہ ننگے پیر یا جوتے پہن کر یا سوار ہو کر جس طرح سے بھی ہو حانث ہو جائے گا۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں عموم مجاز کے طریقہ سے "دار فلان" سے دارِ مسکونہ مراد ہے یعنی جس گھر میں اس کی رہائش کی نسبت کی جائے خواہ وہ گھر اس کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ملکیت میں ہو یا کرایہ پر ہو یا عاریت پر ہو، کیونکہ اس قسم پر آمادہ کرنے والا وہ غیظ وغصہ ہے جو حالف کو فلاں سے لاحق ہوا ہے، لہٰذا اس کلام کا مقصد حالف کا اس مکان میں داخل ہونے سے رُکنا ہے، جس میں وہ فلاں رہتا ہے اور جب ایسا ہے تو "دار فلان" دارِ مملوکہ وغیر مملوکہ سب کو شامل ہوگا، بشرطیکہ وہ اس میں سکونت اختیار کیے ہوئے ہو۔

الحاصل! یہاں بھی عموم مجاز کے طریقہ پر نسبت سکنٰی کے عموم کی وجہ سے حنث عام ہوگا جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے طریقہ پر اس کا حانث ہونا عام نہیں ہوگا۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی عموم مجاز کے طریقہ سے یوم سے مطلق وقت مراد ہے، کیونکہ یہ ضابطہ ہے کہ جب لفظ یوم کی اضافت فعل غیر ممتد کی طرف ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے جیسے مذکورہ مسئلہ "عبدی حر یوم یقدم فلان" میں یوم کی اضافت قدوم کی طرف ہے اور قدم، خروج، دخول وغیرہ فعل غیر ممتد ہے، اس لیے یوم سے مطلق وقت مراد ہوگا اور مطلق وقت رات ودن سب کو عام ہے، لہٰذا فلاں رات یا دن میں جب بھی آئے گا حالف حانث ہوگا اور یہ حانث ہونا عموم مجاز کی وجہ سے ہوگا نہ کہ "جمع بین الحقیقۃ والمجاز" کی وجہ سے (فلا یرد نقض جمع بین الحقیقة و المجاز).

نوٹ: عبدہ حر الخ: میں حالف کے حانث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا غلام آزاد ہوجائے گا خواہ وہ فلاں رات میں آئے یا دن میں۔

(۱۲) اُصول الشاشی: ص/۱۷

وَلَايَلْزَمُ عَلٰى هٰذَا إِذَاقَالَ لِامْرَأَتِهٖ: هٰذِهٖ اِبْنَتِيْ وَلَهَا نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ مِنْ غَيْرِهٖ، حَيْثُ لَاتَحْرُمُ عَلَيْهِ، وَلَايُجْعَلُ ذٰلِكَ مَجَازًا عَنِ الطَّلَاقِ سَوَاءٌ كَانَتِ الْمَرْأَةُ صُغْرٰى سِنًّا مِنْهُ أَوْ كُبْرٰى، لِأَنَّ هٰذَا اللَّفْظَ لَوْصَحَّ مَعْنَاهُ لَكَانَ مُنَافِيًا لِلنِّكَاحِ فَيَكُوْنُ مُنَافِيًا لِحُكْمِهٖ،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

وَهُوَ الطَّلَاقُ وَلَااسْتِعَارَةَ مَعَ وُجُوْدِ التَّنَافِيْ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "عـلـى هٰـذا" کا مشار الیہ لکھ کر عبارت کا مطلب بوضاحت لکھئے، نیز "هذه ابنتي" کا لغوی معنیٰ، نکاح اور حکمِ نکاح کے منافی کیسے ہے؟ سمجھا کر لکھئے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** اور اس اصلِ مذکور (کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مجاز، حقیقت کا خلیفہ محض تکلم میں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک حکم میں ہے) پر اعتراض لازم نہیں آتا کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی سے "هٰـذه ابنتي" کہہ دے حالانکہ اس عورت کا غیرِ شوہر سے نسب مشہور ہے تو اس کلام کے تکلم کے وقت وہ عورت اس شوہر (متکلم) پر حرام نہ ہوگی اور شوہر کے اس قول کو طلاق سے مجاز نہیں قرار دیا جائے گا، خواہ وہ عورت اپنے شوہر سے عمر میں بڑی ہو چھوٹی، اس لیے کہ یہ لفظ (ابـنـتـي) اگر اس کے حقیقی معنیٰ (بیٹی ہونا) صحیح ہوں تو یہ لفظِ نکاح کے منافی ہوگا، لہٰذا حکمِ نکاح یعنی طلاق کے بھی منافی ہوگا اور دو چیزوں میں منافات کے ہوتے ہوئے استعارہ نہیں ہوتا۔

(ج): ولا يـلـزم عـلـى هٰذا اي علىٰ هٰذا الاصل المذكور وهو ان المجاز عند أبي حنيفةؒ خلف عن الحقيقة في حق اللفظ.

تشریح: یہاں سے مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، جو امام صاحبؒ پر وارد ہو رہا ہے۔

اعتراض یہ ہے کہ جب امام صاحبؒ کے نزدیک مجاز، حقیقت کا خلیفہ محض تلفظ میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ہوتا ہے کہ ترکیب نحوی کے اعتبار سے کلام صحیح ہو جائے۔ تو اگر شوہر اپنی اس بیوی سے جس کا نسب شوہر کے علاوہ دوسرے آدمی سے مشہور ہو یعنی سب کو یہ خبر ہو کہ یہ فلاں کی بیٹی ہے اس سے "ھٰذہ ابنتی" کہہ دے کہ یہ میری بیٹی ہے، تو چونکہ یہ بیوی اس شوہر کی حقیقی بیٹی تو ہو نہیں سکتی؛ کیونکہ نسب دوسرے آدمی سے مشہور ہے تو مجازاً اس پر طلاق پڑنی چاہئے اور یہ عورت شوہر پر حرام ہونی چاہئے؛ کیونکہ حرمت (حرمتِ نکاح) حقیقی بیٹی کے لیے لازم ہے اور لازمی معنیٰ مراد لینا مجاز ہے، گویا یہ کہنا چاہئے کہ قائل نے ملزوم بول کر لازم مراد لیا ہے جیسا کہ غلام کو "ھٰذا ابنی" کہنے کی صورت میں حریت ثابت ہو جاتی ہے تو اسی طرح اپنی بیوی کو بیٹی کہہ دینے سے بیوی حرام ہو جانی چاہئے، حالانکہ امام صاحبؒ اس قول کو لغو کہتے ہیں اور مجاز اً طلاق مراد نہیں لیتے، جبکہ "ھٰذہ ابنتی" ترکیب کے اعتبار سے صحیح ہے یعنی مبتداء وخبر کی ترکیب ہے۔ فما الجواب؟

جواب: یہ ہے کہ بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوگی اور شوہر کے قول "ھٰذہ ابنتی" کو طلاق سے مجاز نہیں قرار دیا جائے گا یعنی اس کلام کی وجہ سے عورت پر مجازاً طلاق واقع نہ ہوگی، بیوی خواہ عمر میں شوہر سے بڑی ہو یا چھوٹی؛ کیونکہ اگر اس لفظ یعنی "ابنتی" کو صحیح اور ثابت مان لیں یعنی "ھٰذہ ابنتی" سے حقیقی بیٹی مراد لے لیں تو وہ نکاح کے منافی ہے یعنی دونوں چیزیں (بیٹی ہونا اور نکاح) ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ بیٹی سے کسی بھی صورت میں نکاح درست نہیں ہے تو جب بیٹی ہونا نکاح کے منافی ہے تو نکاح کے حکم یعنی طلاق کے بھی منافی ہے اور جب دو چیزوں کے اندر منافات اور تضاد ہو تو استعارہ یعنی ایک لفظ بول کر دوسرا مراد نہیں لیا جا سکتا ہے، لہٰذا بنتیت (بیٹی ہونا) سے طلاق مراد نہیں لی جا سکتی، بلکہ قائل کا یہ قول لغو ہو جائے گا۔ برخلاف مسئلہ "ھٰذا ابنی" کے کہ اگر کسی نے اپنے غلام کو بیٹا کہہ دیا تو مجازاً غلام آزاد ہوگا؛ کیونکہ بیٹا ہونے اور غلام ہونے میں کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے تو غلام ہونے کے حکم یعنی آزادی ثابت ہونے میں بھی کوئی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

خرابی نہیں ہوگی اور بیٹا ہونے وغلام ہونے میں اس لیے منافات اور تضاد نہیں ہے؛ کیونکہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ بیٹے کو کسی نے مقید کرلیا ہو اور باپ نے اس کو خریدا تو خرید لینے کی وجہ سے وہ بیٹا مملوک بن گیا، اگر چہ خریدتے ہی وہ فوراً آزاد ہوجائے گا؛ کیونکہ حدیث شریف میں ہے "من ملک ذارحم محرم منه عتق علیه" لہٰذا اپنی بیوی کو "هٰذه ابنتی" کہنے اور اپنے غلام کو "هٰذا ابنی" کہنے میں فرق واضح ہوگیا؛ چنانچہ جب بیٹا ہونے اور مملوک ہونے میں تضاد اور تنافی نہیں ہے تو مملوک ہونے کے حکم یعنی ثبوتِ حریت میں بھی تنافی نہ ہوگی، لہٰذا بنوۃ اور ثبوتِ حریت میں استعارہ بھی جائز ہوگا یعنی غلام کو بیٹا کہنے کی وجہ سے غلام کے لیے حریت ثابت ہوجائے گی؛ لیکن جب بیٹی ہونے اور نکاح ہونے میں تضاد اور تنافی ہے تو نکاح کے حکم یعنی طلاق میں اور بیٹی ہونے میں بھی تنافی ہوگی، لہٰذا ان دونوں (بیٹی ہونا اور نکاح) میں استعارہ بھی جائز نہ ہوگا، لہٰذا اپنی بیوی کو بیٹی کہنے کی شکل میں مجازاً اس پر وقوعِ طلاق کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

قولهٗ: ولها نسب معروف الخ: اگر وہ لڑکی معروفۃ النسب نہ ہو بلکہ مجہولۃ النسب ہو تو پھر "هٰذه ابنتی" کہنے کی شکل میں وہ شوہر پر حرام ہوجائے گی اور اسی شوہر سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا۔

فائدہ: صاحبینؒ کے نزدیک بھی یہ کلام "هٰذه ابنتی" لغو ہوگا؛ کیونکہ یہاں "هٰذه ابنتی" کے حقیقی معنیٰ مراد لینا ممکن نہیں ہیں؛ کیونکہ غیر شوہر سے معروفۃ النسب بیٹی اپنی بیٹی نہیں ہوسکتی۔

(۱۳) أصول الشاشی: ص/۱۸

اِعْلَمْ أَنَّ الْاِسْتِعَارَةَ فِيْ أَحْكَامِ الشَّرْعِ مُطَّرِدَةٌ بِطَرِيْقَيْنِ اَحَدُهُمَا لِوُجُوْدِ الْاِتِّصَالِ بَيْنَ الْعِلَّةِ وَالْحُكْمِ وَالثَّانِي لِوُجُوْدِ الْاِتِّصَالِ بَيْنَ السَّبَبِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

الْمَحْضِ وَالْحُكْمِ فَالْأَوَّلُ مِنْهَا يُوْجِبُ صِحَّةَ الْإِسْتِعَارَةِ مِنَ الطَّرَفَيْنِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): علت، حکم اور سبب کے معنیٰ مرادی اور سبب کو محض کی قید کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ تحریر کریں۔

(د): دونوں طریقوں کی مثال اور حکم بیان کر کے مطلب تحریر کریں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: جاننا چاہیے کہ استعارہ شریعت کے احکام میں دو طریقوں سے رائج ہے، ان دونوں میں سے ایک طریقہ علت اور حکم کے درمیان اتصال کے پائے جانے کی وجہ سے ہے اور دوسرا طریقہ سببِ محض اور حکم کے درمیان اتصال کے پائے جانے کی وجہ سے ہے، پس ان دونوں طریقوں میں سے پہلا طریقہ استعارہ کی صحت کو طرفین سے (یعنی علت اور حکم دونوں طرفوں سے) ثابت کرتا ہے اور دوسرا طریقہ استعارہ کی صحت کو دو طرفوں میں سے صرف ایک طرف سے ثابت کرتا ہے۔

(ج): الحكم يتعلق بسببه ويثبت بعلته ويوجد عند شرطه و العلة مايتوقف عليه وجود الشيء.

متن میں علت اور حکم کو طرفین کہا گیا ہے اسی وجہ سے علت بول کر حکم (معلول) اور حکم (معلول) بول کر علت مراد لینا درست ہے، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے، اس لیے کہ حکم بغیر علت کے نہیں پایا جا سکتا، پس حکم وجود کے اعتبار سے علت کی طرف منسوب ہوگا اور اس کے تابع ہوگا اور علت اپنے حکم ہی کے لیے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مشروع ہوتی ہے، حتیٰ کہ علت ایسی جگہ مشروع نہیں ہوسکتی جہاں حکم کا مشروع ہونا متصور نہ ہو جیسے کہ شراب بیچنا اور نکاح محرمات، پس علت حکم کی محتاج ہوئی اور اس کے تابع ہوئی۔

وإذا كان كذلك استوىٰ اتصال كل واحد منهما بالآخر فيعم جواز الاستعارة. (اصول الشاشی: ص/۱۸، حاشیہ:۷)

والسبب عبارة عما يكون طريقًا للوصول إلى الحكم.

الحاصل! علت وہ ہے جو حکم تک بلا واسطہ پہنچائے، جیسے: مثلاً باندی کو خریدنا علت ہے مِلکِ رقبہ کے حاصل ہونے کی، پھر چونکہ مِلکِ رقبہ کے واسطے سے ملکِ متعہ (حقِ جماع) بھی حاصل ہوگی تو یہی خریدنا سبب ہے ملکِ متعہ کے حاصل ہونے کا، ملکِ رقبہ کے واسطے سے۔

نوٹ: کبھی سبب بول کر علت مراد لے لیتے ہیں مثلاً یوں کہنا کہ باندی کا خریدنا ملکِ رقبہ کے حاصل ہونے کا سبب ہے، حالانکہ خریدنا ملکِ رقبہ کی علت ہے سبب نہیں، تو یہاں سبب بول کر علت مراد لیا ہے، لیکن اگر سبب کے بعد مصنفؒ نے محض کی قید بڑھائی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مراد سبب ہی ہے علت نہیں، اسی غرض سے محض کی قید کے ساتھ مقید کیا۔

(د): **تشریح:** مصنفؒ نے اس فصل میں استعارہ کے طریقوں کو پہچاننے کا ذکر کیا ہے۔

اہلِ اُصول کے نزدیک استعارہ اور مجاز دونوں مترادف ہیں یعنی حقیقت اور مجاز کے درمیان اتصال اور مناسبت کی وجہ سے لفظ کو معنیٰ مجازی میں استعمال کرنا استعارہ بھی کہلاتا ہے اور مجاز بھی۔

اور اہلِ بیان کے نزدیک استعارہ مجاز کی ایک قسم ہے، کیونکہ حقیقت اور مجاز کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

درمیان اگر تشبیہ کا علاقہ ہے تو وہ استعارہ کہلائے گا اور اگر سبب ومسبب، لازم وملزوم، حال ومحل وغیرہ پچیس علاقوں میں سے کوئی غیر تشبیہ کا علاقہ ہے تو وہ مجاز مرسل کہلائے گا۔

الحاصل! اہلِ بیان کے نزدیک استعارہ مجاز کی قسم ہے، مجاز کا مترادف نہیں ہے اور اہلِ اُصول کے نزدیک استعارہ مجاز کا مترادف ہے۔ پھر معنیٰ حقیقی اور مجازی کے درمیان اگر غیر تشبیہ کا علاقہ ہو تو اس علاقہ کو اتصال صوری کہتے ہیں اور اگر تشبیہ کا علاقہ ہو تو اس کو اتصالِ معنوی کہتے ہیں۔ مصنفِ کتاب نے اتصالِ معنوی کا تو ذکر ہی نہیں چھیڑا اور اتصالِ صوری میں سے صرف دو قسموں کو بیان کیا ہے: (۱) علت ومعلول کے درمیان استعارہ (۲) سبب ومسبب کے درمیان استعارہ، کیونکہ اکثر اختلافی مسائل کی بنیاد انہیں دو پر ہے، اسی لیے مصنفؒ نے "فی احکام الشرع" کی قید لگائی ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ ان دونوں قسموں میں سے اوّل یعنی "اتصال بین العلۃ والمعلول" میں استعارہ دونوں جانب سے صحیح ہے یعنی یہ بھی جائز ہے کہ علت ذکر کی جائے اور مجازاً حکم (معلول) مراد لیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ حکم (معلول) ذکر کیا جائے اور مجازاً علت مراد لی جائے۔

مثلاً غلام وغیرہ خریدنا مالک ہونے کی علت ہے اور مالک ہونا معلول ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے کہا کہ اگر میں کسی غلام کا مالک بنوں تو وہ آزاد ہے اور مالک بننے سے عرفِ عام میں ملکیت کاملہ فی وقتِ واحد مراد ہوتی ہے یعنی پورا غلام ایک وقت کے اندر اس کی ملکیت میں موجود ہو، لہٰذا اس شخص نے نصف غلام خریدا تو نصف غلام کا مالک بنا اور خریدتے ہی اس کو فروخت کر دیا، پھر اس غلام کے مابقیہ نصف آخر کو بھی خرید لیا اور مالک بن گیا تو مسئلہ یہ ہے کہ یہ نصف آخر آزاد نہیں ہوگا۔

کیونکہ پورا غلام ایک وقت میں اس کی ملکیت میں موجود نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر اس نے یہ کہا کہ اگر میں کسی غلام کو خریدوں تو وہ آزاد ہے، تو چونکہ عرفِ عام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

میں کسی غلام کے خریدنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پورا غلام اس کی ملکیت میں ایک ساتھ موجود ہو، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پورے غلام کو اس نے خرید لیا ہو، گو متفرق طور سے ہی صحیح، لہٰذا اس شخص نے نصف غلام کو خریدا اور بیچ دیا پھر نصف آخر کو خریدا تو اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ نصف آخر آزاد ہو جائے گا۔

کیونکہ پورے غلام کا خریدنا پایا گیا اور صرف نصفِ آخر میں آزاد ہوگا، کیونکہ نصفِ اوّل تو اس کی ملکیت میں ہے ہی نہیں، لہٰذا وہ اس کو آزاد کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:"لاعتق فیما لایملکه ابن آدم". (آدمی جس چیز کا مالک نہیں ہوتا اس میں عتق بھی نہیں ہوگا)۔

چونکہ علت و معلول کے درمیان طرفین سے استعارہ درست ہے تو اگر ملکتُ (معلول) بول کر اشتریت (علت) مراد لیا یا اشتریتُ (علت) بول کر ملکتُ (معلول) مراد لیا تو بطریقِ مجاز اس کی نیت صحیح اور درست ہوگی، کیونکہ شراء، ملک کی علت ہے اور ملک اس کا حکم اور معلول ہے اور آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ علت اور معلول میں طرفین سے استعارہ عام ہوتا ہے، مگر جس شکل میں قائل کے حق میں کچھ تخفیف اور فائدہ ہو تو دیانۃً تو تصدیق ہوگی مگر قاضی کے یہاں فیصلہ کے اعتبار سے اس کی تصدیق نہیں ہوگی، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہو، مثلاً اگر قائل اشتریتُ بول کر ملکیت مراد لے تو اگرچہ استعارہ اب بھی درست ہے، مگر بوجہ تہمت، قضاءً اس کی تصدیق نہ ہوگی اور قاضی یہی حکم دے گا کہ غلام کا نصفِ آخر آزاد ہو چکا ہے، کیونکہ "اشتریتُ عبدًا فهو حرٌّ" کا یہی تقاضا ہے۔

اور دوسری قسم یعنی "اتصال بین السبب والمسبب" میں استعارہ ایک طرف سے جائز ہوتا ہے، دوسری طرف سے جائز نہیں ہوتا یعنی یہ تو جائز ہے کہ سبب ذکر کیا جائے اور مجازاً حکم (مسبب) مراد لیا جائے، مگر یہ جائز نہیں کہ مسبب ذکر کیا جائے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اور مجازاً سبب مراد لیا جائے۔

مثلاً اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو "حرّرتکِ" کہے اور طلاق کی نیت کرلے تو اس کی یہ نیت صحیح ہے، کیونکہ تحریر اپنے حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے ملکِ بضعہ یعنی حقِ جماع کے زوال کا سبب ہے، باندی کے حق میں مگر درمیان میں ملکِ رقبہ واسطہ ہوگا، لہٰذا تحریر ملکِ متعہ کے زوال کا سبب محض بن گیا اور ملکِ متعہ کا زوال اس کا مسبب ہوا اور طلاق سے بھی چونکہ متعہ کا زوال ہوتا ہے، لہٰذا سبب "حرّرتکِ" بول کر مسبب یعنی طلاق مراد لینا صحیح ہے۔

لہٰذا شوہر کی آزاد عورت کو طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی، جو کہ ملکِ متعہ کو زائل کرنے والی ہے، برخلاف اس کے کہ باندی کو "طَلَّقْتُکِ" کہے جو کہ مسبب ہے اور مراد اس سے "حرّرتکِ" لے جو کہ سبب ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ مسبب بول کر سبب مراد لینا درست نہیں ہوتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مسبب اپنے ثبوت میں سبب کا محتاج ہوتا ہے، مگر سبب مسبب کا محتاج نہیں ہوتا ہے، اس لیے سبب بول کر مسبب مراد لینا تو صحیح ہے، لیکن مسبب بول کر سبب مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

فائدہ: حکم اگر علت کے ساتھ ہو تو اس سے مراد معلول ہے اور اگر سبب کے ساتھ ہو تو اس سے مراد مسبب ہے۔

(۱۴) اُصول الشاشی: ص/۲۱

وَكَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: "فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" سِيْقَ الْكَلَامُ لِبَيَانِ الْعَدَدِ وَقَدْ عُلِمَ الْإِطْلَاقُ وَالْإِجَازَةُ بِنَفْسِ السَّمَاعِ فَصَارَ ذٰلِكَ ظَاهِرًا فِيْ حَقِّ الْإِطْلَاقِ نَصًّا فِيْ بَيَانِ الْعَدَدِ. وَكَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: "لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْتَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً"۔

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): ظاہر اور نص کی تعریف کر کے عبارت کی ایسی تشریح کریں کہ مذکورہ دونوں مثالوں میں ظاہر اور نص کی تعیین ہو جائے۔

(د): نیز ظاہر ونص میں تعارض کے وقت کیا حکم ہوگا؟ مثال دے کر واضح کریں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اسی طرح (أي في النص و الظاهر) باری تعالیٰ کا قول: "فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ الخ" ہے، کلام کو منکوحات کی تعداد بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور اطلاق (یعنی نکاح کا مباح ہونا) اور اس کی اجازت محض سننے سے ہی معلوم ہوگئی، پس یہ باری تعالیٰ کا قول اِباحتِ نکاح میں ظاہر ہے اور منکوحات کی عدد کو بیان کرنے کے سلسلہ میں نص ہے اور اسی طرح باری تعالیٰ کا قول: "لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ الخ" (یعنی تم پر کوئی مواخذہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو ان کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اور مہر کے متعین کرنے سے پہلے)۔

(ج): ظاہر کی تعریف: أما الظاهر فهو إسم لكل كلامٍ ظهر المراد به للسامع بنفس الصيغة من غير تامل. یعنی ظاہر ہر وہ کلام ہے جس کی مراد سامع کو بلا تأمل محض کلام سنتے ہی معلوم ہو جائے یعنی جب سامع اہلِ لسان ہو تو وہ کلام کی مراد کو محض سنتے ہی بغیر غور وفکر کیے جان لے۔

نص کی تعریف: أما النصّ فهو اللفظ الذي تكون دلالته اوضح على

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

المراد من الظاهر بان سيق الكلام لأجله.

یعنی نص وہ لفظ ہے جس کے لیے کلام لایا گیا ہو، یعنی کلام کو لانے کا جو مقصود ہو وہ نص کہلاتا ہے، لہٰذا ظاہر و نص نفس ظہور میں تو دونوں شریک ہیں، مگر نص کے اندر ظاہر کے بالمقابل بوجہ سوقِ کلام ظہور اور وضاحت زیادہ ہوتی ہے۔

مثالهما: اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. یہ آیت بیع کے حلال ہونے اور رباء کے حرام ہونے میں ظاہر ہے اور بیع و رباء کے درمیان فرق بیان کرنے کے اعتبار سے نص ہے۔

و كذلك قوله تعالىٰ فانكحوا الخ: یہاں سے مصنفؒ ظاہر اور نص کی ایک اور مثال بیان فرما رہے ہیں اور وہ مثال باری تعالیٰ کا قول: "فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰاعَ" ہے۔

پس تم نکاح کروان عورتوں سے جو تم کو پسند آئیں (بشرطیکہ وہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہوں حرام نہ ہوں) خواہ دو دو عورتوں سے نکاح کرو یا تین تین عورتوں سے یا چار چار عورتوں سے یہ آیت عدد کو بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے، کہ تم لوگ ایک ساتھ چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو جیسا کہ مثنیٰ و ثلاث و رباع کے الفاظ سے معلوم ہوا، گویا چار عورتوں سے نکاح کرنے تک حد ہے اس سے زائد کی اجازت نہیں ہے اور فَانْكِحُوْا چونکہ امر کا صیغہ ہے، جس کا کم از کم درجہ اباحت ہے، لہٰذا اہلِ زبان لفظ فَانْكِحُوْا کو سن کر ہی نکاح کے مباح اور جائز ہونے کو سمجھ لیں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ آیت بیانِ عدد کے سلسلہ میں نص ہے اور اطلاق یعنی اباحتِ نکاح کے سلسلہ میں ظاہر ہے۔

و كذلك قوله تعالىٰ لاجناح عليكم الخ: یہاں سے مصنفؒ ظاہر اور نص کی مزید ایک مثال بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعہ اس عورت کا حکم بیان کرنا مقصود ہے جس کا مہر متعین نہیں تھا اور جماع سے پہلے ہی اس کو طلاق پڑ گئی کہ اس کے لیے صرف متعہ یعنی ایک جوڑا کپڑا ہے نہ کہ مہر، نہ تو مہر مثل اور نہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

نصف مہر اور طَلَّقْتُمُ کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق کا اختیار مردوں کو ہے نہ کہ عورتوں کو؛ لہٰذا طلاق کے معاملہ میں شوہر مستبد یعنی مستقل بنفسہٖ ہے، کیونکہ طَلَّقْتُمُ جمع مذکر کا صیغہ ہے، جس کی نسبت مردوں کی طرف ہے، اور اس آیت میں غور کرنے سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ نکاح کے وقت مہر ذکر کیے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، کیونکہ اس آیت میں ان عورتوں کے متعلق طلاق کا ذکر ہے جن کا مہر متعین نہیں کیا گیا تھا اور طلاق جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ پہلے سے نکاحِ صحیح موجود ہو، پس معلوم ہوا کہ مہر کا ذکر کیے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ جماع سے پہلے مطلقہ عورت کا حکم بیان کرنے کے سلسلہ میں یہ آیت نص ہے، جبکہ اس کا مہر متعین نہ ہو، لہٰذا اس کو صرف متعہ یعنی ایک جوڑا کپڑا ملے گا نہ کہ مہر اور طلاق کا اختیار مردوں کے لیے ہونے میں یہ آیت ظاہر ہے۔

(د): **ظاہر اور نص میں تعارض کا حکم مع مثال:** مصنفؒ نے فرمایا کہ ظاہر و نص کے درمیان تعارض و تفاوت مقابلہ کے وقت ظاہر ہوگا، چنانچہ اگر ظاہر اور نص میں تعارض صوری ہو کہ ان میں سے ایک کے ذریعہ جو چیز ثابت ہو رہی ہو دوسرے کے ذریعے اس کی نفی ہو رہی ہو تو ظاہر پر نص کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ نص اقویٰ ہے نہ کہ ظاہر اس لیے کہ نص ہی مقصودِ کلام ہوتا ہے، نہ کہ ظاہر اور چونکہ نص ظاہر کے مقابلہ میں اقویٰ ہوتی ہے، اس لیے ان دونوں میں حقیقی تعارض نہ ہوگا، کیونکہ تعارض حقیقی کے لیے دونوں چیزوں میں برابری ضروری ہے، لہٰذا ظاہر اور نص میں صورتاً تعارض ہوگا۔

ظاہر اور نص میں تعارض کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو "طَلِّقِي نفسک" کہہ کر طلاق کا اختیار دے اور جواب میں عورت "ابنت نفسي" کہہ دے یعنی میں نے اپنے آپ کو بائنہ کر لیا تو طلاقِ رجعی واقع ہوگی نہ کہ طلاقِ بائنہ، کیونکہ عورت کا قول "ابنت" طلاق بائن میں ظاہر ہے جیسا کہ اس کلام کو سنتے ہی یہ معلوم ہوگا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کہ عورت اپنے اوپر طلاقِ بائن واقع کرنا چاہتی ہے۔

اور "ابنت" طلاقِ رجعی میں نص ہے، کیونکہ عورت نے اس جملہ کو اپنے اوپر ایسی طلاق واقع کرنے کے لیے استعمال کیا ہے جس طلاق کا شوہر نے اسے اختیار دیا تھا اور وہ طلاق صریح تھی اور طلاقِ صریح سے طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے اور عورت کو فقط اتنا ہی اختیار ہوگا جتنا کہ اس کے شوہر نے اس کو دیا ہے نہ کہ اس سے زائد۔ ظاہر ہے کہ شوہر نے "طلقي" کہہ کر طلاقِ رجعی کا اختیار دیا ہے نہ کہ بائنہ کا، لہٰذا نص یعنی طلاقِ رجعی کو ظاہر یعنی طلاقِ بائن پر ترجیح ہوگی اور عورت کے قول "ابنت نفسي" سے طلاقِ رجعی واقع ہوگی نہ کہ طلاقِ بائن۔

(۱۵) أصول الشاشي: ص/۲۲

وَحُكْمُ الظَّاهِرِ وَالنَّصِّ وُجُوبُ الْعَمَلِ بِهِمَا عَامَّيْنِ كَانَا أَوْ خَاصَّيْنِ مَعَ إِحْتِمَالِ إِرَادَةِ الْغَيْرِ وَذٰلِكَ بِمَنْزِلَةِ الْمَجَازِ مَعَ الْحَقِيْقَةِ. وَعَلٰى هٰذَا قُلْنَا: إِذَا اشْتَرٰى قَرِيْبَهٗ حَتّٰى عَتَقَ عَلَيْهِ يَكُوْنُ هُوَ مُعْتِقًا وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لَهٗ وَإِنَّمَا يَظْهَرُ التَّفَاوُتُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): ظاہر اور نص کی اصطلاحی تعریف کرنے کے بعد عبارت کی ایسی تشریح کریں کہ ظاہر اور نص کا حکم اور اس پر متفرع مسئلہ خوب واضح ہو جائے۔

(د): مع احتمال الخ کی مع مثال وضاحت کریں اور بتائیں کہ ولاء کس کو کہتے ہیں؟

جواب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور ظاہر ونص کا حکم ان دونوں پر عمل کا واجب ہونا ہے خواہ وہ دونوں عام ہوں یا خاص دوسرے معنیٰ مراد ہونے کے احتمال کے ساتھ اور یہ دوسرے معنیٰ کا مراد ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ مجاز حقیقت کے ساتھ۔ اور اسی اصل کی بناء پر (کہ ظاہر ونص کا حکم اس کے موجب پر عمل کا وجوب ہے) ہم نے کہا کہ جب کسی آدمی نے اپنے قریبی رشتہ دار کو خریدا حتیٰ کہ وہ قریبی رشتہ دار اس خریدنے والے پر آزاد ہو گیا تو یہ خریدار آزاد کرنے والا ہوگا اور ولاء اسی کے لیے ہوگا اور ظاہر ونص کے درمیان تعارض مقابلہ کے وقت ظاہر ہوگا۔

(ج): **تشریح**: ظاہر ونص کی اصطلاحی تعریف تو ماقبل میں مع امثلہ کے گزر چکی ہے۔ اب یہاں سے مصنفؒ نے ظاہر ونص کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دونوں عام ہوں یا خاص دونوں پر غیر کے احتمال کے ساتھ عمل کرنا واجب ہے اور ان دونوں سے جو اللہ کی مراد ہو اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی واجب ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک سے دوسری چیز بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی جس طرح حقیقت مجاز کا احتمال رکھتی ہے اسی طرح ظاہر اور نص بھی تخصیص وتاویل اور مجاز کا احتمال رکھتے ہیں۔

دراصل ان دونوں کے حکم میں دو مذہب ہیں: ایک تو شیخ ابو منصور ماتریدی، اصحابِ حدیث اور بعض معتزلہ کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ظاہر کا حکم یہ ہے کہ لفظ کو جس معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے اس پر ظناً عمل کرنا واجب ہے نہ کہ قطعاً یعنی وہ مفید ظن ہے مفیدِ یقین نہیں، البتہ جو اس سے اللہ کی مراد ہے اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب اور لازم ہے۔

دوسرا مذہب امام کرخی، ابوبکر جصاص، قاضی ابوزید اور عام معتزلہ کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ظاہر کتاب اللہ اور سنتِ متواترہ میں جو ظاہر ہے وہ عمل اور علم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

دونوں کو قطعاً واجب کرتا ہے یعنی ظاہر مفید عمل بھی ہے اور مفید یقین بھی۔

اور مصنفؒ پہلے مذہب کا اعتبار کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ظاہر اور نص عام لفظ ہوں یا خاص تو عام چونکہ تخصیص کا احتمال رکھتا ہے اور خاص مجاز کا احتمال رکھتا ہے، لہٰذا ظاہر اور نص میں اسی احتمالِ تخصیص اور مجاز کے ساتھ عمل کرنا واجب ہے، مثلاً ''اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا'' میں ''البیع'' کے اندر الف لام استغراقی داخل ہونے کی وجہ سے عام ہے جو تمام قسموں کی بیع حلال ہونے کے سلسلہ میں ظاہر ہے، خواہ بیع مجہول ہو یا ایسی بیع ہو جس میں طرفین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو والٰی غیر ذلک۔ مگر یہ عموم شریعت میں درست نہیں، لہٰذا البیـــع میں تخصیص ہوگی اور ناجائز بیوع اس سے خارج ہو جائیں گے۔

نوٹ: جس طرح لفظ ظاہر ہونے کے ساتھ خاص وعام ہوتا ہے، اسی طرح نص بھی خاص وعام ہوتا ہے۔ ظاہر کے خاص وعام ہونے کی مثال تو گزر چکی ''اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ'' کے اندر۔ نص کے خاص وعام ہونے کی مثال جیسے: ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' میں ''مَنْ'' عام ہے۔ یہ آیت اِس سلسلہ میں نص ہے کہ تم میں سے جو بھی رمضان کو پائے تو وہ روزہ رکھے خواہ وہ مریض ہو یا تندرست، مقیم ہو یا مسافر لیکن اس عموم سے ''وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ'' کی تخصیص کردی گئی۔

وعلٰی هذا قلنا الخ: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو ضابطہ بیان کیا کہ ظاہر اور نص کے موجب پر عمل کرنا واجب ہے اسی پر ایک مسئلہ متفرع ہے کہ ''من ملک ذارحمٍ محرمٍ منه عتق علیه'' میں ملک کے لفظ سے قریبی رشتہ دار پر ملکیت کا ثابت ہونا ظاہر ہے اور اس قریبی رشتہ دار کے لیے آزادی کا ثابت ہونا نص ہے۔

گویا نص اور ظاہر پر عمل کے واجب ہونے کی بناء پر اوّلاً قریبی رشتہ دار پر ملکیت ثابت ہوگی اور پھر فوراً اس پر آزادی کا ثبوت مرتب ہوگا، لہٰذا اس قریبی رشتہ دار کو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

خریدنے والا اس کو آزاد کرنے والا ہوا اور قریبی رشتہ دار مُعْتَق یعنی آزاد کردہ ہوا اور مُعتِق کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا بچا ہوا سارا مال معتِق (آزاد کرنے والے) کے لیے ہوگا، لہٰذا اس مُعتَق کا سارا سامان جس کو وَلاء کہتے ہیں معتِق لے لے گا، جبکہ اس معتَق کے ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں۔

(د): مع احتمال الخ: اس کی وضاحت مع مثال کے تشریح کے ضمن میں آچکی ہے۔

ولاء کی تعریف: الولاء میراث یستحقه المرأ بسببِ عتقِ شخصٍ في ملكهٖ أوبسببِ عقد الموالاتِ. یعنی ولاء وہ مالِ میراث ہے جس کا انسان مستحق ہوتا ہے اپنی ملکیت میں کسی شخص کے آزاد ہونے یا عقدِ موالاۃ کی وجہ سے۔

(بحوالہ سراجی: ص/۶، درحاشیہ)

(۱۶) اُصول الشاشی: ص/۲۴

ونَظِيرُهُ فِي الْاَحْكَامِ: حَلَفَ لَايَأْتَدِمُ؛ فَإِنَّهُ ظَاهِرٌ فِي الْخَلِّ وَالدِّبْسِ؛ فَإِنَّمَاهُوَ مُشْكِلٌ فِي اللَّحْمِ وَالْبَيْضِ وَالْجُبْنِ حَتّٰى يُطْلَبَ فِي مَعْنَى الْاِئْتِدَامِ ثُمَّ يُتَأَمَّلُ اَنَّ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى هَلْ يُوْجَدُ فِي اللَّحْمِ وَالْبَيْضِ وَالْجُبْنِ اَمْ لَا؟

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ کی تعریف قلم بند کیجیے۔

(د): اور "نظیرہ" کی ضمیر کا مرجع متعین کر کے عبارت کی وضاحت کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ب): **ترجمہ:** اور مشکل کی نظیر احکام میں یہ ہے، کسی نے قسم کھائی کہ وہ ادام نہیں کھائے گا تو اس کا یہ قول سرکہ اور شیرہ میں تو ظاہر ہے مگر یہ قول گوشت، انڈا اور پنیر میں مشکل ہے حتیٰ کہ (اوّلاً وابتداءً) ایتدام کے معنیٰ کو طلب کیا جائے گا اور پھر (ثانیاً) اس میں غور کیا جائے گا کہ یہ معنیٰ کیا گوشت، انڈا اور پنیر میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

(ج):

خفی کی تعریف: اما الخفی فهو اللفظ الذي خفی المراد به بعارض لامن حيث الصيغة، اي يكون اللفظ ظاهرا في دلالته علٰی معناه لكن خفی بسبب العارض وهوَ ان هٰذا الجزئی هل هو من افراد مسمی اللفظ أم لا ؟ لكونه مشتمل علی الزيادة او النقصان في الصفة بالنسبة إلٰی باقی الافراد، فاللفظ لايكون خفيا الّا بالنسبة إلٰی بعض الافراد، كقوله تعالٰی: "والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما" فلفظ السارق ظاهر في معنی اخذ مال مُحترم مُحرز خفية، وخفی في الطرّاز والنبّاش فإن الطراز يأخذ المال مع حضور المالک ويقظته ففيه صفة زائدة علی السارق، ولذا سمی باسم خاص، والنبّاش يأخذ الأكفان من القبور وليس هناک حافظ فهو ناقص في معنی السرقة، ولذا سمی بإسم خاصّ (طرّار، بمعنیٰ جیب کترا۔ نبّاش، بمعنیٰ کفن چور)

خفی کا حکم: وحكمه النظر فيه ليعلم ان خفاءه لمزية اونقصان في الوصف فيثبت الحكم في الزياده ولايثبت فی النقصان فيثبت قطع اليد في حق الطّرّار ولايثبت في حق النباش.

مشکل کی تعریف: اماالمشكل فهو اللفظ الذي خفي مراده

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

بنفس الصيغة بأن لايدل بصيغته على المراد، بل لابد من قرينة خارجية تبين المراد منه، كاللفظ المشترك الموضوع لغةً لأكثر من معنى واحد ليس في صيغته دلالة علٰى معنى معين كقوله تعالٰى: "والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء" فلفظ القروء مشترك بين الحيض والطهر، والمراد به احدهما، فخفي مراده.

مشكل کا حکم: وحكمه اعتقاد حقيته فيما اريد منه ثم الاقبال علٰى طلب المراد مع النظر فيه الٰى ان يتبين المراد منه.

مجمل کی تعریف: أماالمجمل فهو اللفظ الذي خفي مراده بصيغته خفاء لايمكن ازالته بقرينة خارجية، بل لايدرك اِلّابيان من المتكلم، كالصلوٰة، والزكوٰة، فإن لفظ الصلوٰة وضع للدعاء فقط ولفظ الزكوٰة للنماء فقط، وهما ليسا بمرادين فلابد لهما من بيان من الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم.

مجمل کا حکم: أعتقاد حقيته فيما أريد منه ثم الاقبال على الطلب والتأمل والتوقف حتى يتبين المراد من المتكلم كالصلوٰة والزكوٰة فإن هذين اللفظين نقلهما الشارع عن معانيهما اللغوية الى المعانى الشرعية وبيّن تفاصيلها فكانا قبل بيان الشارع مجملين.

متشابہ کی تعریف: أماالمتشابه فهو اللفظ الذي خفى مراده بصيغته خفاءً لايمكن ازالته بقرينة خارجية ولاببيان من المتكلم لان المتكلم استأثر بعلمه فلم يفسره كحروف المقطعات.

متشابہ کا حکم: وحكمه اعتقاد حقيقته فيما أريد منه وتفويض امره الٰى اللّٰه سبحانهٗ وتعالى.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ماخوذ من تسہیل الاصول)

(و): ونظیره في الاحکام الخ: اي نظير المشكل في الأحكام الخ:

تشریح: مشکل کی مثال احکامات کے اندر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ اِدام (سالن) نہیں کھائے گا تو لفظ اِدام، سرکہ اور کھجور کے شیرہ کے حق میں تو ظاہر ہے مگر بُھنا ہوا گوشت، انڈا اور پنیر کے حق میں مشکل ہے، لہٰذا اولاً اِدام کے معنیٰ کو طلب کیا جائے، اور پھر یہ غور وفکر کی جائے کہ یہ معنیٰ بُھنے ہوئے گوشت، انڈا اور پنیر میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

الحاصل: اوّلاً اِدام کے معنیٰ کو طلب کیا جائے کہ ادام کس کو کہتے ہیں؟ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ادام وہ چیز ہے جس کو روٹی کے تابع بنا کر کھایا جائے اور کمالِ اتباع یہ ہے کہ روٹی اس میں ڈوب جائے، لہٰذا ادام، سرکہ اور کھجور کے شیرہ کے حق میں تو ظاہر ہے کہ حالف اس کے کھانے سے حانث ہو جائے گا، مگر بھنا ہوا گوشت، انڈا اور پنیر کے متعلق مشکل ہے؛ کیونکہ تینوں چیزیں کبھی بغیر روٹی کے بھی کھائی جاتی ہیں اور کبھی روٹی کے ساتھ بھی، لہٰذا تامل کے بعد حکم نافذ ہوگا؛ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گوشت، انڈا اور پنیر کھانے سے حالف حانث نہ ہوگا؛ کیونکہ ان تینوں میں اِدام کا معنیٰ بطریقِ کمال موجود نہیں ہے نیز ادام مشتق من المداومت بمعنیٰ موافقت ہے، اور کمالِ موافقت تب ہوگی جبکہ روٹی کا اس چیز میں اختلاط و امتزاج ہو جائے اور وہ (امتزاج) بھنے ہوئے گوشت اور انڈا وغیرہ میں نہیں ہوتا، نیز بھنا ہوا گوشت، انڈا اور پنیر وغیرہ بغیر روٹی کے بھی کھائے جاتے ہیں۔

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ادام وہ چیز ہے جس سے روٹی لذیذ ہو جائے، ظاہر ہے کہ گوشت، انڈا اور پنیر سے روٹی لذیذ ہو جاتی ہے، لہٰذا ان تینوں چیزوں کے کھانے کی شکل میں وہ حانث ہو جائے گا، نیز ادام مشتق من المداومت ہے اور اس کے معنیٰ موافقت کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ہیں تو عموماً جو چیز روٹی کے ساتھ کھائی جاتی ہے وہ اس کے مواق ہی ہوتی ہے، لہٰذا گوشت، پنیر اور انڈا، ادام ہی میں شامل ہیں، اسی وجہ سے وہ حالف حانث ہو جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ: "سیّد ادام اهل الجنة اللحم" اہلِ جنت کا بہترین سالن گوشت ہے۔

تو امام صاحبؒ کی طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ہماری گفتگو دنیا کے بارے میں ہے نہ کہ آخرت کے بارے میں اور حدیثِ مذکور کا تعلق آخرت سے ہے۔

مشکل کا حکم: مشکل کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ شارح کی اس سے جو مراد ہے وہ برحق ہے پھر طلب و تامل کرے تاکہ اس کی مراد ظاہر ہو جائے۔ اس کی مثال قرآن کی آیت: "فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ" ہے کہ یہاں "اَنّٰى" این کے معنیٰ میں نہیں ہے ورنہ دبر میں جماع کا جواز لازم آئے گا؛ حالانکہ دُبر میں جماع کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ "اَنّٰى" یہاں "كَيْفَ" کے معنیٰ میں ہے اور اس پر قرینہ آیت میں لفظ "حَرْثَكُمْ" استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ کھیتی کے ہیں اور کھیت وہ ہوتا ہے جس میں بیج ڈالنے سے کچھ پیدا ہو اور کوئی چیز اُگے، جبکہ دُبر میں کوئی چیز ڈالنے سے یعنی نطفۂ منی ڈالنے سے کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا آیت شریفہ میں "اَنّٰى" بمعنیٰ "كيف" ہے کہ بیوی سے جس طرح چاہو جماع کرو، چاہے لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر جس طرح چاہو جماع کرو۔

(۱۷) اُصول الشاشی: ص/۲۵

لَوْحَلَفَ لَايَشْتَرِيْ رَأْسًا فَهُوَ عَلٰى مَاتَعَارَفَهُ النَّاسُ فَلَايَحْنَثُ بِرَأْسِ الْعُصْفُوْرِ وَالْحَمَامَةِ وَبِهٰذَا ظَهَرَ أَنَّ تَرْكَ الْحَقِيْقَةِ لَايُوْجِبُ الْمَصِيْرَ إِلَى الْمَجَازِ بَلْ جَازَ أَنْ تَثْبُتَ بِهِ الْحَقِيْقَةُ الْقَاصِرَةُ ... وَلَوْتَزَوَّجَ الْمُكَاتَبُ بِنْتَ مَوْلَاهُ ثُمَّ مَاتَ الْمَوْلٰى وَوَرِثَتْهُ الْبِنْتُ لَمْ يَفْسُدِ النِّكَاحُ وَإِذَا لَمْ يَكُنْ مَمْلُوْكًا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لَايَدْخُلُ تَحْتَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

لَفْظِ الْمَمْلُوكِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): بھٰذا کے ھذا کا مشارٌ الیہ اور حقیقتِ قاصرہ، مدبر نیز مکاتب کی تعریف کیجیے۔

(د): بعدہٗ عبارت کا مطلب تحریر کیجیے اور بتائیے کہ إِذَا تَـزَوَّ ج الخ کس قاعدہ کی مثال ہے؟

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ سر نہیں خریدے گا تو وہ قسم اس سر پر محمول ہوگی جس کو عرف میں لوگ جانتے پہچانتے ہوں، پس وہ حالف چڑیا اور کبوتر کا سر خریدنے سے حانث نہیں ہوگا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حقیقت کو ترک کرنا مجاز کی طرف لوٹنے کو واجب نہیں کرتا، بلکہ جائز ہے کہ اس ترکِ حقیقت سے حقیقتِ قاصرہ ثابت ہوجائے...اور اگر مکاتب اپنے مولیٰ کی لڑکی سے نکاح کرے اور پھر مولیٰ کا انتقال ہوجائے اور مولیٰ کی لڑکی اس مکاتب کی وارث ہوجائے تو نکاح فاسد نہ ہوگا اور جب مکاتب کلی طور سے مملوک نہیں ہے تو وہ مکاتب لفظ مملوک کے تحت داخل بھی نہ ہوگا۔

(ج): بھٰذا أي بما ذكرنا من ترك الحقيقة في المسئلة.

حقیقت کی دو قسمیں ہیں: (۱) حقیقتِ کاملہ (۲) حقیقتِ قاصرہ۔

فالحقيقة الكاملة وهي أن يُراد باللفظ جميع أفراد الحقيقة.

یعنی اگر لفظ اپنے معنی موضوع لہٗ کے ہر ہر جزء پر دلالت کرے تو حقیقتِ کاملہ ہے جیسے لفظ رأس بول کر رأس البقر مراد لینا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

والحقیقۃ القاصرۃ وھي أن یراد باللفظ بعض افراد الحقیقۃ. یعنی اگر لفظ معنیٰ موضوع لہ کے بعض اجزاء پر دلالت کرے اور بعض پر نہیں تو یہ حقیقتِ قاصرہ ہے جیسے لفظ رأس بول کر غنم مراد لینا۔ (اصول الشاشی: ص/۲۵، حاشیہ: ۸)

مدبر: وہ غلام ہے جس کو مولیٰ نے یہ کہہ دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تُو آزاد ہے۔ اس کے اندر مولیٰ کی ملکیت کامل ہوتی ہے، مولیٰ اس کے اندر تصرف کر سکتا ہے، مثلاً خدمت لینا اور مدبرہ سے وطی کرنا، البتہ اس کے اندر قیمت ناقص ہوتی ہے، کیونکہ رقیت کا زوال یقینی ہے اور اس کی آزادی مولیٰ کی موت پر معلق ہے اور مولیٰ کا مرنا چونکہ یقینی ہے، اس لیے مدبر کی رقیت کا زائل ہونا بھی یقینی ہے۔

مکاتب: وہ غلام ہے جس سے مولیٰ نے یہ کہہ دیا ہو کہ اگر تُو نے اتنے روپے مجھے ادا کر دیئے تو تُو آزاد ہے اور غلام نے رضامند ہو کر اس معاملہ کو تسلیم بھی کر لیا ہو۔ اس معاملہ کو عقدِ کتابت اور مال کو بدلِ کتابت کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ مکاتب و مکاتبہ کے اندر غلامیت اور قیمت کامل درجہ کی ہوتی ہے۔

(د): **تشریح:** پانچ مقامات ایسے ہیں جہاں الفاظ کے معنیٰ حقیقی ترک کر دیئے جاتے ہیں اور حقیقی معنیٰ ترک کرنے سے مجازی معنیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا ضروری نہیں، بلکہ حقیقتِ قاصرہ مراد لینا بھی جائز ہے اور حقیقت کے بعض افراد کا مراد لینا حقیقتِ قاصرہ کہلاتا ہے۔ کمامر

پانچ مقامات یہ ھیں: (۱) دلالتِ عرف (۲) دلالتِ کلام (۳) سیاقِ کلام (۴) دلالت منجانب متکلم (۵) دلالت محل کلام۔

(۱) دلالتِ عرف: اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں لفظ کے حقیقی معنیٰ متروک ہو کر دوسرے معنیٰ معروف و مشہور ہو گئے ہوں۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ میں سر نہیں خریدوں گا، تو اس سے وہ سر مراد ہو گا جو عرف میں متعارف و مشہور ہے یعنی جو ہوٹلوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

میں پکایا جاتا ہے اور بیچا جاتا ہے، مثلاً گائے، بھینس، بکری وغیرہ کا سر۔ لہٰذا چڑیا یا کبوتر کا سر خریدنے سے وہ حانث نہیں ہوگا۔ دیکھئے! اس مثال کے اندر دلالتِ عرف کی وجہ سے حقیقت کے بعض افراد مراد لے کر عام کو بعض افراد کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے، اسی کا نام حقیقتِ قاصرہ ہے۔

(۲) دلالتِ کلام: اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں کوئی مشکل لفظ استعمال کرے کہ ایک فرد میں قوت ہو اور دوسرے فرد میں ضعف تو قوی معنیٰ مراد لیے جائیں اور ضعیف متروک کر دیئے جائیں، جیسے لفظ بیض (سفید) برف اور ہاتھی کے دانت دونوں پر استعمال ہوتا ہے، مگر برف میں زیادہ اور ہاتھی کے دانت میں کم۔

(۳) سیاقِ کلام: یعنی کلام کے طرز سے معلوم ہو جائے کہ یہاں کلام میں حقیقی معنیٰ مراد نہیں۔ جیسے قائل کا قول: طلق امرأتي إن كنت رجلاً. تو یہ توکیل اور اجازت نہ ہوگی۔

(۴) دلالت منجانب متکلم: یعنی متکلم کے منشاء اور ارادے کا لحاظ کر کے معنیٰ حقیقی ترک کر دیئے جائیں۔ جیسے: "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" کفر کے قبیح ہونے کی وجہ سے کفر کا حکم اپنی حقیقت پر باقی نہیں رہے گا، اس لیے کہ متکلم یعنی باری تعالیٰ کا منشاء امر نہیں، بلکہ تہدید ہے، اس لیے حقیقی معنیٰ متروک ہوں گے۔

(۵) دلالت محل کلام: یعنی کلام کا محل لفظ کی حقیقت کو قبول نہ کرے جیسے آزاد عورت کسی مرد سے کہے کہ میں نے خود کو آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ فروخت کرنا اپنی حقیقت پر نہ رہے گا چونکہ آزاد عورت محل بیع نہیں ہے۔ (بحوالہ نور الانوار)

وإذا تزوج المكاتب الخ: یہ دوسرے قاعدے کی مثال ہے یعنی نفسِ کلام میں دلالت ہونے کی وجہ سے لفظ کے حقیقی معنیٰ ترک کر دیئے جائیں جیسے اگر مولیٰ نے کہا: "كُلُّ مَمْلُوْكٍ لِيْ فَهُوَ حُرٌّ" (میرا ہر مملوک آزاد ہے) اس مثال میں مملوک عام ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اور مملوک کا اطلاق اُن تمام غلاموں پر ہوگا جن میں مولیٰ کی ملکیت ہو، خواہ ملکیت ناقص ہی ہو، مگر چونکہ نفسِ کلام لفظِ مملوک کے مطلق ہونے کی وجہ سے فردِ کامل پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ قاعدہ ہے: اَلْمُطْلَقُ إِذَا اُطْلِقَ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ لہٰذا یمینِ مذکور سے وہی غلام آزاد ہوں گے جن میں مولیٰ کی ملکیت کامل درجے کی ہو اور وہ من کل وجہٍ مملوک ہوں، لہٰذا مکاتب اور معتق البعض (یعنی وہ غلام جس کا بعض حصہ مولیٰ نے آزاد کردیا ہو) آزاد نہ ہوں گے، کیونکہ ان دونوں میں ملکیت کاملہ نہیں، بلکہ ناقصہ ہے، نیز مولیٰ ان کے اندر تصرف نہیں کرسکتا، جب تک کہ وہ بدلِ کتابت سے عاجز نہ ہوجائیں، اس لیے مولیٰ کا مکاتب سے خدمت لینا اور مکاتبہ سے وطی کرنا حلال نہیں ہے۔

ولو تزوج الخ: اِس عبارت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے، چونکہ مکاتب میں ملکیت ناقص ہے، کیونکہ اس کے اندر آزادی کی بُو آجاتی ہے اور وہ مملوک کامل نہیں رہتا۔ اس لیے اگر مکاتب نے اپنے مولیٰ کی بیٹی سے نکاح کرلیا پھر مولیٰ مرگیا تو بیٹی اپنے باپ کی میراث کی مستحقہ ہوگی اور اپنے شوہر مکاتب کی مالکہ بن جائے گی، اور جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کا مالک بن جائے تو نکاح فاسد ہوجاتا ہے، حالانکہ یہاں نکاح فاسد نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ مکاتب کے اندر مولیٰ کی ملکیت ناقص ہوتی ہے، تو جب ملکیت ناقص ہے تو کلّ مملوک الخ کہنے سے مکاتب مطلق مملوک کے تحت داخل نہ ہوگا اور آزاد بھی نہیں ہوگا۔

(۱۸) اُصول الشاشی: ص/۳۰

وَعُلِمَ مِنْهُ حُكْمُ الْاِحْتِلَامِ وَالْاِحْتِجَامِ وَالْاِدِّهَانِ لِأَنَّ الْكِتَابَ لَمَّا سَمَّى الْاِمْسَاكَ اللَّازِمَ بِوَاسِطَةِ الْاِنْتِهَاءِ عَنِ الْأَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي أَوَّلِ الصُّبْحِ صَوْمًا عُلِمَ أَنَّ رُكْنَ الصَّوْمِ يَتِمُّ بِالْاِنْتِهَاءِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

عَنِ الْأَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ. وَعَلٰى هٰذَا يُخَرَّجُ الْحُكْمُ فِي مَسْئَلَةِ التَّبْيِيْتِ فَإِنَّ قَصْدَ الْإِتْيَانِ بِالْمَأمُوْرِ بِهٖ إِنَّمَا يَلْزَمُهٗ عِنْدَ تَوَجُّهِ الْأَمْرِ وَالْأَمْرُ إِنَّمَا يَتَوَجَّهُ بَعْدَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "مِنْهُ" کی ضمیر کا مرجع اور "هٰذا" کا مشارٌ الیہ متعین کرتے ہوئے پوری عبارت کی تشریح کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور باری تعالیٰ کے قول "ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ" سے احتلام اور پچھنا لگوانے، اور تیل لگانے کا حکم بھی معلوم ہو گیا، اس لیے کہ جب کتاب اللہ نے اس امساک کا نام روزہ رکھا ہے جو صبح کے جزء اوّل میں مذکورہ تین چیزوں یعنی اکل، شرب اور جماع سے باز رہنے اور رُکے رہنے کے واسطے سے لازم آئے تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ رکن صوم (یعنی امساک) صرف تین چیزوں سے رُکنے کے ذریعہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور اِس نص کے موجب و مقتضیٰ پر روزہ کی رات سے نیت کرنے کے مسئلہ میں حکم کی تخریج کی جائے گی، کیونکہ مامور بہ کو بجالانے کا ارادہ امر متوجہ ہونے کے وقت لازم ہوتا ہے اور امر جزء اوّل کے بعد متوجہ ہوتا ہے، کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے: ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ.

(ج): مِنْهُ أي من قوله تعالىٰ: ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ. وهذا أي موجب هٰذا النص أي قوله تعالىٰ: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ الخ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ متعلقاتِ نصوص کو جان لیں تاکہ پوری بحث بآسانی حل ہو جائے۔ متعلقاتِ نص چار ہیں: (۱) عبارت النص (۲) اشارۃ النص (۳) دلالت النص (۴) اقتضاء النص۔

عبارت النص: وہ عبارت اور کلام ہے جس سے ایسا حکم ثابت ہو جس کے لیے بالقصد کلام لایا گیا ہو اور وہ حکم اصلاً ہو جیسے: فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ میں بیان عدد اصلاً ہے۔ یا تبعاً ہو۔ جیسے آیتِ مذکورہ میں اباحتِ نکاح۔

اشارۃ النص: جو نظمِ قرآن سے بغیر کسی زیادتی کے ثابت ہو اور وہ پورے طور پر ظاہر نہ ہو اور نہ ہی اس کے لیے کلام کو لایا گیا ہو، بلکہ غور وفکر کے بعد ضمناً مفہوم ہوتا ہو۔ جیسے: "لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ" استیلاء کے ذریعہ مسلمان کا مال کافر کی ملکیت میں آجاتا ہے، یہ بات اشارۃ النص سے معلوم ہوئی اور چونکہ اس آیت میں فقراء کو غنیمت کے مستحق بیان کیے گئے ہیں، اس لیے یہی عبارت النص کی مثال بھی ہے۔

دلالت النص: جو حکم علت ماہرِ لغت کو بلا کسی اجتہاد اور بلا استنباط کے معلوم ہو جائے وہ دلالت النص کہلاتا ہے، جیسے: "فَلَاتَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَاتَنْهَرْهُمَا" کہ اُف کہنے کی ممانعت کی علت دفعِ ایذاء ہے، اس لیے جس قول وفعل سے بھی والدین کو تکلیف ہوگی وہ حرام ہوگا۔

اقتضاء النص: جس میں نص پر زیادتی ہو اور نص کے معنیٰ اس زیادتی کے بغیر درست نہ ہوتے ہوں گویا نص ہی اپنے معنیٰ کی ادائیگی میں اس زیادتی کا مقتضی ہو جیسے: فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ کے اندر کفارہ میں غلام کا آزاد کرنا ثابت ہوا ہے، مگر نص اس بات کی مقتضی ہے کہ رَقَبَةٍ کے بعد مَمْلُوْكَةٍ مقدر مانا جائے، کیونکہ بغیر اپنی ملکیت کے غلام کی آزادی متحقق ہی نہ ہوگی۔ لہٰذا آیتِ مذکورہ میں مملوكة کا اضافہ نہ کیا گیا تو نص کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

معنیٰ فی نفسہٖ صحیح نہ ہوں گے۔

اشارۃ النص کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ.

> ”تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں تمہاری عورتوں کے ساتھ جماع کرنا حلال کیا گیا ہے، وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تم اپنے نفوس میں خیانت کرتے تھے، پس اللہ تعالیٰ تم پر متوجہ ہوا اور تم سے درگزر کا معاملہ کیا، پس تم ان سے جماع کرو اور وہ طلب کرو جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے اور کھاؤ، پیو یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو جائے پھر رات تک روزہ کو پورا کرو“۔

یہ آیت اِس مقصد کے لیے لائی گئی ہے کہ روزہ دار کے لیے رات میں کھانا، پینا اور جماع کرنا جائز ہے، پس روزہ دار کے لیے رات میں مذکورہ چیزوں کے ارتکاب کا جواز عبارۃ النص سے ثابت ہوگا، لیکن یہ آیت اشارۃً اِس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ بقائے جنابت روزہ کے لیے مانع نہیں ہے، یعنی جنابت کی حالت میں اگر روزہ شروع کر دیا گیا اور صبح صادق کے بعد روزہ بھی پایا گیا اور جنابت بھی پائی گئی تو یہ درست ہوگا۔

اور جنابت کے روزے کے منافی نہ ہونے سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بقاءِ صوم کے منافی نہیں ہے، کیونکہ جنابت روزہ کے ساتھ متحقق ہوسکتی ہے اور نماز وغیرہ کے لیے اس جنابت کا دُور کرنا ضروری ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا چونکہ غسلِ جنابت کے ارکان میں سے ہے، اس لیے جنابت ان کے بغیر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

دُور نہیں ہوگی۔

نیز اگر کسی روزہ دار نے کوئی چیز چکھ کر تھوک دی تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ غسل کا پانی اگر نمکین ہو اور کلی کرتے وقت اس کا ذائقہ محسوس ہوتا ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

وَعُلِمَ منه حکم الخ: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے قول بَاشِرُوْهُنَّ اور کُـلُوْا وَاشْرَبُوْا کے بعد ثُـمَّ اَتِـمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ فرمانے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ احتلام، پچھنا لگوانے اور تیل لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کھانے، پینے اور جماع سے رُکنے کو روزہ قرار دیا ہے اور جب روزہ ان تینوں چیزوں سے رُکنے کا نام ہے تو معلوم ہوگیا کہ ان تین چیزوں سے رُکنا روزے کا ایسا رکن ہے جس سے روزہ پورا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اگر روزہ کا وجود شرعی ان تین چیزوں کے علاوہ پر موقوف ہوتو ان تین چیزوں سے رُکنے کا نام روزہ نہ رکھا جاتا اور جب باری تعالیٰ نے ان ہی تین چیزوں سے رُکنے کو روزہ قرار دیا ہے تو دوسری چیزوں سے رُکنا ضروری نہ ہوگا اور احتلام، پچھنا لگوانا اور تیل لگانا مفسدِ صوم نہ ہوگا۔

رہی حدیث "اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ" تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کا روزہ ٹوٹا نہیں، بلکہ ٹوٹنے کے قریب ہوگیا۔ مجوم کا تو اس لیے کہ خون نکلنے کی وجہ سے اس میں کمزوری اور ضعف پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے مجوم روزہ توڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور حاجم چونکہ منہ لگا کر خون نکالتا ہے اس لیے اس کے پیٹ میں خون کے داخل ہونے کا احتمال رہتا ہے۔

وعلی هٰذا الخ: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ نص یعنی كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ کے موجب کی وجہ سے تبییت میں حکم کی تخریج کی جائے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مسئلہ تبییت یہ ہے کہ رمضان کے روزہ کے لیے صبح صادق سے پہلے رات میں نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علمائے احناف کا مذہب یہ ہے کہ رات میں نیت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ زوال سے پہلے پہلے نیت کرنا کافی ہے، یعنی صبح صادق سے پہلے رات میں نیت کی تب بھی درست ہے اور اگر صبح صادق کے بعد زوال سے پہلے نیت کی تو بھی درست ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی مستدل حدیث "لاصیام لمن لم ینو الصیام من اللیل" (اس شخص کا روزہ نہیں ہے جس نے رات میں روزہ کی نیت نہیں کی) علمائے احناف کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روزہ کی نیت صرف رات میں جائز ہو اور صبح صادق کے بعد جائز نہ ہو۔

اور کتاب اللہ یعنی "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا الخ" اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نیت صرف صبح صادق کے بعد جائز ہو رات میں نہیں۔ وہ اِس طرح سے کہ نیت نام ہے قصد و ارادہ کا اور مامور بہ یعنی روزہ کو ادا کرنے کا ارادہ اس وقت لازم ہوتا ہے جب اللہ کی طرف سے مامور بہ کو ادا کرنے کی طلب پائی جائے۔

اور امر متوجہ ہوتا ہے صبح صادق طلوع ہونے کے بعد کیونکہ اللہ نے فرمایا: کھاؤ، پیو، یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہوجائے گویا اللہ نے صبح صادق طلوع ہونے تک کھانے پینے کی اجازت دی ہے تو روزہ صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سے شروع ہوگا اور جب ایسا ہے تو مامور بہ یعنی روزہ کو ادا کرنے کے لیے باری تعالیٰ کا خطاب اور امر صبح صادق طلوع ہونے کے بعد متوجہ ہوگا اور نیت کرنا بھی اسی وقت لازم ہوگا اس سے پہلے لازم نہ ہوگا۔

الحاصل آیت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ صبح صادق کے بعد نیت کرنا ضروری ہے، تو آیت اور حدیث دونوں متعارض ہوگئیں۔ تو ہم نے دونوں پر عمل کرتے ہوئے رات میں نیت کو جائز قرار دیا حدیث کی وجہ سے اور دن میں نیت کو جائز قرار دیا آیت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کی وجہ سے۔

(۱۹) اُصول الشاشی: ص/۳۳

اَلْأَمْرُ فِي اللُّغَةِ قَوْلُ الْقَائِلِ لِغَيْرِهٖ اِفْعَلْ وَفِي الشَّرْعِ تَصَرُّفُ اِلْزَامِ الْفِعْلِ عَلَى الْغَيْرِ وَذَكَرَ بَعْضُ الْأَئِمَّةِ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْأَمْرِ يَخْتَصُّ بِهٰذِهِ الصِّيْغَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مُتَكَلِّمٌ فِي الْاَزَلِ عِنْدَنَا وَكَلَامُهٗ اَمْرٌ وَنَهْيٌ وَاِسْتِخْبَارٌ وَاسْتَحَالَ وُجُوْدُ هٰذِهِ الصِّيْغَةِ فِي الْاَزَلِ وَاسْتَحَالَ أَيْضًا أَنْ يَكُوْنَ مَعْنَاهُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْاَمْرِ لِلْاٰمِرِ يَخْتَصُّ بِهٰذِهِ الصِّيْغَةِ الخ

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): بعض ائمہ کے قول پر مصنفؒ نے دو اعتراض نقل کیے ہیں، آپ اعتراضوں کی تشریح کیجیے پھر ان کا جواب دیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** امر لغت میں قائل کا اپنے غیر سے اِفْعَلْ کہنا ہے کہ تُو یہ کام کر اور شریعت میں دوسرے پر کسی کام کے لازم کرنے کا تصرف ہے۔ اور بعض ائمہ نے ذکر کیا کہ امر کی مراد اسی صیغۂ اِفْعَلْ کے ساتھ خاص ہے اور یہ بات محال ہے کہ ائمہ کے قول "أَنَّ الْمُرَادَ بِالْأَمْرِ يَخْتَصُّ بِهٰذِهِ الصِّيْغَةِ" کے یہ معنیٰ ہوں کہ امر کی حقیقت اسی صیغہ کے ساتھ خاص ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے نزدیک ازل میں متکلم ہے اور اللہ کا کلام امر، نہی، اخبار اور استفہام بھی ہے اور ازل میں اس صیغہ کا وجود محال ہے۔ اور یہ بات بھی محال ہے کہ قولِ ائمہ کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

معنیٰ یہ ہوں کہ امر سے آمر کی مراد اسی صیغہ کے ساتھ خاص ہے۔

(ج): **تشریح:** امر کی لغوی تعریف: "قَوْلُ الْقَائِلِ لِغَيْرِهِ اِفْعَلْ" یعنی کسی کہنے والے کا اپنے غیر سے کہنا کہ تو یہ کام کر یعنی حکم کرنا۔ جیسے: پانی لاؤ۔

اصطلاحی تعریف: تَصَرُّفُ اِلْزَامِ الْفِعْلِ عَلَى الْغَيْرِ عَلَى سَبِيلِ الْاِسْتِعْلَاءِ۔ کسی شخص پر بڑائی کے طور پر کسی کام کو لازم کرنا یعنی آدمی پر یہ تصرف کرنا کہ یہ کام آپ کو کرنا لازم ہے مطلب کرنا ہی پڑے گا۔

نوٹ: "افعل" میں تثنیہ وجمع، مذکر ومؤنث، مجرد ومزید فیہ سب داخل ہیں یعنی صرف "افعل" ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ افعلا، افعلوا، افعلی وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

وَذَكَرَ بَعْضُ الْأَئِمَّةِ الخ: بعض ائمہ سے مراد علامہ فخر الاسلام بزدویؒ اور شمس الاسلام سرخسیؒ ہیں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ امر سے جو مراد ہوتا ہے یعنی وجوب وہ صیغۂ افعل کے ساتھ خاص ہے یعنی وجوب صرف صیغۂ افعل سے ثابت ہوگا اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ثابت نہ ہوگا۔

مصنف اُصول الشاشی نے فرمایا کہ بعض ائمہ کے قول "أَنَّ الْمُرَادَ بِالْأَمْرِ يَخْتَصُّ بِهٰذِهِ الصِّيْغَةِ" کا اگر یہ مطلب ہے کہ امر کی مراد یعنی طلبِ فعل اسی صیغہ کے ساتھ خاص ہے اس صیغہ کے بغیر طلبِ فعل کا وجود اور تحقق نہیں ہوسکتا ہے، تو یہ مطلب مراد لینا بالکل محال ہے، کیونکہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ ازل ہی سے متکلم ہیں اور ازل ہی سے ان کے لیے صفتِ کلام ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام امر، نہی، اخبار اور استخبار ہے یعنی وہ اپنے کلام کے ساتھ آمر ہیں، ناہی ہیں، مخبر ہیں، پس حقیقتِ امر یعنی طلبِ فعل اگر صیغۂ افعل کے ساتھ خاص ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ صیغہ بھی ازل میں موجود ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ازل میں صفتِ کلام کے ساتھ متکلم ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ازل میں طلبِ فعل کیا ہے اور بقول آپ کے طلبِ فعل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

صیغۂ افعل کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتا، حالانکہ صیغۂ افعل اور دوسرے صیغوں کا ازل میں پایا جانا محال ہے، اس لیے کہ صیغے، حروف اور اصوات سے مرکب ہونے کی وجہ سے حادث ہیں اور ازلی چونکہ حدث کے منافی ہے اس لیے جو چیز حادث ہوگی وہ ازلی نہیں ہوسکتی یعنی حادث کا ازلی ہونا محال ہے۔

اور جو چیز محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ چونکہ خود محال ہوتی ہے، اس لیے حقیقتِ امر اور طلبِ فعل کا صیغۂ افعل کے ساتھ خاص ہونا بھی محال ہے۔ یہ پہلا اعتراض و جواب تھا۔ فافہم

دوسرا اعتراض: ''واستحال ایضًا'' سے کیا مراد ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بعض ائمہ کے قولِ مذکور کا مطلب یہ ہے کہ امر سے آمر یعنی شارع کی جو مراد ہے وہ اسی صیغۂ افعل کے ساتھ خاص ہے یعنی شارع کی مراد صرف صیغۂ افعل سے حاصل ہوگی، اس کے علاوہ سے حاصل نہ ہوگی۔ یہ مطلب بیان کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ امر سے شارع کی مراد بندہ پر فعل کو واجب کرنا ہوتا ہے، یعنی شارع جب امر کرتا ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ فعل بندہ پر واجب ہو۔

حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وجوبِ فعل اس صیغۂ افعل کے بغیر بھی ثابت ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص پہاڑوں کی چوٹیوں اور بلندیوں پر رہتا ہو اور وہاں کوئی نبی یا غیر نبی اسلام کی دعوت لے کر اس کے پاس نہ پہونچا ہو تو اس شخص پر ایمان لانا واجب ہے، بشرطیکہ اس کو غور و فکر کرنے کا وقت ملا ہو۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی ہماری تائید و توثیق ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہ بھیجتے تو عقلاء پر اپنی عقلوں کے ذریعہ اللہ کی معرفت حاصل کر کے اس پر ایمان لانا واجب ہوتا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وجوب اس صیغہ کے بغیر بھی ثابت ہو جاتا ہے، تو یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ امر سے آمر کی جو مراد ہے یعنی وجوب وہ صیغۂ افعل کے ساتھ خاص

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ہے یعنی اس کا حصول صرف صیغۂ افعل سے ہوگا، اس کے علاوہ سے نہیں ہوگا۔

جواب: فاضل مصنفؒ نے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بعض ائمہ کے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مرادِ امر یعنی وجوب اس صیغہ کے ساتھ احکامِ شرعیہ فرعیہ میں بندے کے حق میں خاص ہے نہ تو عقائد میں خاص ہے اور نہ شارع کے حق میں خاص ہے یعنی کسی چیز کو واجب کرنے میں شارع اس صیغہ کا محتاج نہیں ہے اور نہ ہی مسائلِ اعتقادیہ مثلاً ایمان کا وجوب ثابت ہونے میں اس صیغہ کی ضرورت ہے۔

الغرض مصنفؒ کے اس جواب سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ احکامِ شرعیہ فرعیہ میں بندے کے حق میں امر کی مراد یعنی وجوب اس صیغہ کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا احکامِ شرعیہ فرعیہ میں اس صیغہ کے بغیر وجوب ثابت نہیں ہوگا اور جب ایسا ہے تو فعلِ رسول، قولِ رسول "اِفْعَلُوْا" کے مرتبہ میں نہیں ہوگا یعنی جس طرح قولِ رسول (امر کا صیغہ) وجوب کو ثابت کرتا ہے اسی طرح فعلِ رسول سے وجوب ثابت نہ ہوگا اور قولِ رسول سے جو وجوب ثابت ہوا ہے اس پر اعتقاد کرنا لازم نہ ہوگا۔

(۲۰) اُصول الشاشی: ص/۳۵

اَلْأَمْرُ بِالْفِعْلِ لَايَقْتَضِي التَّكْرَارَ وَلِهٰذَا قُلْنَا لَوْقَالَ طَلِّقْ اِمْرَأَتِي فَطَلَّقَهَا الْوَكِيْلُ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا الْمُوَكِّلُ لَيْسَ لِلْوَكِيْلِ أَنْ يُّطَلِّقَهَا بِالْأَمْرِ الْأَوَّلِ ثَانِيًا وَلَوْقَالَ زَوِّجْنِيْ اِمْرَأَةً لَايَتَنَاوَلُ هٰذَا تَزْوِيْجًا مَرَّةً بَعْدَ أُخْرىٰ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): عبارت میں مذکورہ قاعدہ کی وضاحت کرتے ہوئے دونوں مثالوں کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

تشریح کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): ترجمہ: امر بالفعل یعنی کسی کام کا حکم کرنا تکرار کا تقاضا نہیں کرتا ہے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے: "طَلِّق امرأتی" تُو میری بیوی کو طلاق دیدے پس وکیل نے اس کو طلاق دے دی پھر مؤکل نے (یعنی مطلقہ عورت کے سابق شوہر) نے دوبارہ اسی عورت سے نکاح کرلیا تو وکیل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس عورت کو امر اوّل (طَلِّقْ اِمْرَأَتِي) کی وجہ سے دوبارہ طلاق دے اور اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے "زَوِّجْنِي اِمْرَأَةً" تُو کسی عورت سے میری شادی کرادے تو یہ حکم ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ شادی کرانے کو شامل نہ ہوگا۔

(ج): تشریح: امر بالفعل یعنی کسی کام کا حکم کرنا تکرار کا تقاضا کرتا ہے یا نہیں اس بارے میں چار مذہب ہیں:

(۱): ابواسحاق اسفرائنی شافعی اور عبدالقادر بغدادی رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے یعنی تکرار امر کا موجب ہے۔

(۲): حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امر تکرار کا تقاضا تو نہیں کرتا، البتہ تکرار کا احتمال رکھتا ہے یعنی تکرار امر کا موجب تو نہیں لیکن امر کا محتمل ہے۔

موجب اور محتمل کے درمیان فرق یہ ہے کہ موجب بلانیت ثابت ہوجاتا ہے اور محتمل بلانیت ثابت نہیں ہوتا۔

(۳): بعض مشائخ احناف اور بعض شوافع کا مذہب یہ ہے کہ امر نہ تو تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور نہ تکرار کا احتمال رکھتا ہے، ہاں اگر امر کسی شرط پر معلق ہو جیسے: "وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا" میں تطہیر جنابت پر معلق ہے یا کسی وصف کے ساتھ مقید ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جیسے: "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا" میں کوڑے مارنا وصفِ زنا کے ساتھ مقید ہے تو اس صورت میں شرط اور وصف کے تکرار سے امر بھی مکرر ہو جائے گا۔

(۴): احناف کا مذہب مختار یہ ہے کہ امر نہ تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور نہ تکرار کا احتمال رکھتا ہے، خواہ امر معلق بالشرط یا موصوف بالصفۃ ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا فعل ماموربہ کو ایک بار بجالانا کافی ہے نہ کہ بار بار۔

ولهذا قلنا الخ: امر چونکہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اسی قاعدے پر مسئلہ متفرع کرتے ہوئے مصنفؒ نے فرمایا اگر کسی نے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کی طلاق کا وکیل بناتے ہوئے اس سے "طلّق امرأتي" کہا اور اس نے اپنی وکالت کے تحت اس کی بیوی کو ایک طلاق دے دی پھر مؤکل نے اسی عورت سے نکاح کر لیا تو وکیل کو امرِ اول کی وجہ سے دوبارہ اس عورت کو طلاق دینے کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک امر بالفعل نہ تو تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور نہ تکرار کا احتمال رکھتا ہے، لہٰذا وکیل صیغۂ امر یعنی "طلق" کے ذریعے صرف ایک مرتبہ طلاق دینے کا مجاز ہوگا بار بار طلاق دینے کا مجاز نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا: "زَوِّجْنِي اِمْرَأَةً" (میرا کسی عورت سے نکاح کر دے) تو یہ امر ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ نکاح کرانے کو شامل نہ ہوگا، یعنی وکیل اس امر "زوجني" کی وجہ سے صرف ایک مرتبہ نکاح کرانے کا مجاز ہوگا، دوسری بات نکاح کرانے کا مجاز نہ ہوگا۔

کیونکہ احناف کے نزدیک امر نہ تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور نہ تکرار کا احتمال رکھتا ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ امر اختصار کے ساتھ ایجادِ فعل کو طلب کرنے کا نام ہے مثلاً اِضْرِبْ، اِفْعَلْ فعل الضرب کا اختصار کردہ ہے جیسا کہ ضرب، فَعَلَ فِعل الضرب في الزمان الماضي کا اختصار کردہ ہے اور کلام مختصر ہو یا مطول ہو، حکم کو ثابت کرنے اور معنیٰ کا فائدہ پہنچانے میں دونوں کلام برابر ہیں، کیونکہ اختصار کا فائدہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

الفاظ کو کم لانا ہوتا ہے، کلامِ مطول کے معنیٰ کو بدلنا مقصود نہیں ہوتا۔ فافہم

(۲۱) اُصول الشاشی: ص/۳۷

اَلْـمَـامُوْرُ بِـهٖ نَـوْعَانِ مُطْلَقٌ عَنِ الْوَقْتِ وَمُقَيَّدٌ بِهٖ وَحُكْمُ الْمُطْلَقِ أَنْ يَكُوْنَ الْأَدَاءُ وَاجِبًا عَلَى التَّرَاخِيِّ بِشَرْطِ أَنْ لَّايَفُوْتَهٗ فِي الْعُمْرِ وَعَلٰى هٰـذَا قَـالَ مُـحَـمَّدٌ فِي الْجَامِعِ لَوْنَذَرَ اَنْ يَّعْتَكِفَ شَهْرًا لَهٗ أَنْ يَّعْتَكِفَ اَىَّ شَهْرٍ شَاءَ وَلَوْنَذَرَ أَنْ يَصُوْمَ شَهْرًا لَهٗ أَنْ يَّصُوْمَ أَيَّ شَهْرٍ شَاءَ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): مطلب تحریر کیجیے، نیز نذر کی تعریف قلمبند کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: مامور بہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مطلق عن الوقت (۲) مقید بالوقت۔ اور مطلق کا حکم یہ ہے کہ مامور بہ کی ادائیگی تاخیر سے واجب ہو اس شرط کے ساتھ کہ وہ مامور بہ اس سے عمر بھر میں فوت نہ ہو۔ اور اسی اصل (کہ مطلق کا حکم تاخیر کے ساتھ ادائیگی کا واجب ہونا ہے) کی بنا پر امام محمدؒ نے جامع کبیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک مہینہ اعتکاف کی نذر مانی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ جس مہینہ کا چاہے اعتکاف کرے۔ اور اگر کسی نے ایک مہینہ روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ جس مہینے کا چاہے روزہ رکھے۔

(ج): **تشریح**: مصنفؒ نے فرمایا کہ مامور بہ یعنی جس کام کا بندے کو حکم دیا گیا ہے، دو قسم پر ہے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۱) مطلق عن الوقت: وہ مامور بہ ہے جس کے لیے وقت کی ایسی کوئی قید اور تحدید نہ ہو کہ اگر وقت نکل جائے تو مامور بہ بھی فوت ہوجائے اور وقت کے نکل جانے کے بعد اس کی ادائیگی قضاء قرار دے دی جائے، بلکہ اس کے اندر اطلاق ہوتا ہے، کہ جب بھی کرے گا اداء ہی شمار ہوگا نہ کہ قضاء جیسے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کہ سال گزرنے کے بعد صاحب نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے اور یوم الفطر شروع ہونے کے بعد صدقۃ الفطر واجب ہوجاتا ہے، مگر جب بھی زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کو ادا کیا جائے اداء ہی مانا جائے گا نہ کہ قضاء۔

(۲) مقید بالوقت: وہ مامور بہ ہے کہ جس کے لیے وقت کی قید اور تعیین ہو کہ اگر وقت گزر جائے اور ختم ہوجائے تو مامور بہ قضاء بن جائے نہ کہ اداء جیسے نماز کہ وقتِ نماز گزر جانے کے بعد یہ مامور بہ قضاء مانا جائے گا نہ کہ اداء اور بندہ گنہگار ہوگا، اسی کا دوسرا نام موقت بھی ہے۔

مامور بہ مطلق عن الوقت کا حکم: یہ ہے کہ مامور بہ کا ادا کرنا علی التراخی واجب ہو، اس شرط کے ساتھ کہ مرنے سے پہلے پہلے ادا کرلیا جائے زندگی بھر میں فوت نہ ہو یعنی زندگی میں جب بھی ادا کرے گا ادا ہی ہوگا، قضاء نہیں اور تاخیر کی وجہ سے گنہگار نہ ہوگا۔ ہاں اگر زندگی بھر ادا نہ کرسکا اور مر گیا تو یقیناً گنہگار ہوگا۔

واضح ہو کہ یہ جمہور احناف کا مذہب ہے ورنہ احناف میں امام ابو یوسفؒ اور امام کرخیؒ علی الفور وجوب کے قائل ہیں، چنانچہ یہ دونوں حضرات تاخیر کرنے والے کو گنہگار قرار دیتے ہیں۔ جمہور احناف گنہگار قرار نہیں دیتے۔

مامور بہ مطلق عن الوقت کی ادائیگی میں چونکہ تاخیر جائز ہے اسی ضابطے پر مصنفؒ مثال پیش کر رہے ہیں کہ امام محمدؒ نے جامع کبیر میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی ایک مہینے کے اعتکاف کی نذر مان لے یا کسی بھی ایک مہینے کی، روزے کی نذر مان لے تو چونکہ یہ نذر مطلق ہے، لہٰذا جس مہینے میں بھی چاہے اعتکاف کرلے اور جس مہینے میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

چاہے روزہ رکھ لے، کسی وقت کی تعیین وتحدید نہیں ہے۔

پھر مقید بالوقت کی (جس کو موقت بھی کہا جاتا ہے) دو قسمیں ہیں: (۱) وقت فعل کے لیے ظرف ہو۔ جیسے: نماز (۲) وقت فعل کے لیے معیار ہو۔ جیسے: روزہ۔

پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ مامور بہ دوسرے فعل کے وجوب کے منافی نہیں ہوتا اس وقت میں اسی جنس کی دوسری عبادت بھی کی جاسکتی ہے۔ دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ جب شریعت نے کسی عبادت کا بطورِ معیار وقت متعین کر دیا جیسے کہ روزہ تو اسی جنس کی دوسری عبادت اس وقت میں ادا نہیں کی جاسکتی۔

نذر کی تعریف: هُوَ اِيْجَابُ عَيْنِ الْفِعْلِ الْمُبَاحِ عَلٰى نَفْسِهٖ تَعْظِيْمًا لِلّٰهِ تَعَالٰى. یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی خاطر کسی فعل مباح کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا نام نذر ہے۔

(۲۲) اُصول الشاشی: ص/۴۰

اَلنَّوْعُ الثَّانِي مَايَكُوْنُ حَسَنًا بِوَاسِطَةِ الْغَيْرِ وَذٰلِكَ مِثْلُ السَّعْيِ اِلَى الْجُمُعَةِ وَالْوُضُوْءِ لِلصَّلٰوةِ فَاِنَّ السَّعْيَ حَسَنٌ بِوَاسِطَةِ كَوْنِهٖ مُفْضِيًا اِلٰى اَدَاءِ الْجُمُعَةِ. وَالْوُضُوْءَ حَسَنٌ بِوَاسِطَةِ كَوْنِهٖ مِفْتَاحًا لِلصَّلٰوةِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): نوعِ ثانی کا مقسم لکھ کر عبارت کی اس طرح تشریح کریں کہ نوعِ ثانی کا حکم مثالوں کے ذریعہ واضح ہو جائے۔

جواب

(الف): عبارت بااعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: نوعِ ثانی وہ ہے جو غیر کے واسطہ سے حسن ہو اور اس کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مثال، جیسا کہ جمعہ کے لیے سعی اور نماز کے لیے وضو۔ پس سعی، ادائیگی جمعہ کی طرف پہنچانے والی ہونے کے واسطے سے حسن ہے اور ضوء، نماز کے لیے کنجی ہونے کے واسطے سے حسن ہے۔

(ج): **تشریح:** نوعِ ثانی کا مقسم ماموربہٖ مؤقت ہے اور ماموربہٖ مؤقت کی دوسری قسم حسن لغیرہٖ ہے، حسن لغیرہٖ وہ ماموربہ ہے جس کی ذات میں حُسن وخوبی کسی غیر کے واسطے سے آئی ہو، خود اس کی ذات میں کوئی خوبی نہ ہو۔ حَسن لغیرہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ غیر جس کے واسطے سے ماموربہٖ میں حسن وخوبی آئی ہے، ماموربہٖ کے ادا کرنے سے خود بخود ادا نہ ہوتا ہو؛ بلکہ اس کو مستقلاً ادا کرنا پڑتا ہو۔ جیسے: وضوء نماز کے لیے، کہ وضو کرنے سے جو کہ ماموربہٖ ہے نماز خود بخود ادا نہ ہوگی؛ بلکہ نماز کو مستقلاً ادا کرنی پڑے گی، اسی طرح سعی الی الجمعہ کہ سعی کرنے سے جو کہ ماموربہٖ ہے جمعہ خود بخود ادا نہیں ہوتا؛ بلکہ سعی الگ کرنی پڑتی ہے اور جمعہ الگ پڑھنا پڑتا ہے۔

بالفاظِ دیگر ماموربہٖ کے ادا کرنے سے مقصود خود بخود ادا نہ ہو؛ بلکہ ماموربہٖ کو علیحدہ ادا کرنا پڑے اور مقصود بہٖ کو علیحدہ۔

(۲) وہ غیر جس کے واسطے سے ماموربہٖ میں حسن وخوبی آئی ہے، ماموربہ کو ادا کرنے سے مقصود خود بخود ادا ہوجاتا ہو۔ جیسے: حدود وکفارات اور جہاد۔ ظاہر ہے کہ حدود وکفارات وغیرہ میں فی نفسہٖ کوئی حسن وخوبی نہیں ہے؛ کیونکہ ان چیزوں میں نفس کو سزا دینا اور ہلاکت میں ڈالنا ہے، مگر حدود میں جنایت اور معاصی سے روکنے کے واسطے سے حُسن آگیا تاکہ لوگ ان عبرت ناک سزاؤں سے عبرت پکڑیں اور آئندہ معاصی و کبائر کے ارتکاب سے احتراز کریں، اسی طرح قصاص میں ارتکابِ قتل سے باز رہنے کے واسطے سے حسن آگیا، اسی طرح جہاد میں فی نفسہٖ کوئی حسن وخوبی نہیں ہے؛ بلکہ اس میں بندوں کو سزا دینا، مال چھیننا، قتل وغارت کرنا ہے، مگر کفار کے شر کو دفع کرنے اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اعلاءِ کلمۃ اللہ کے واسطے سے اس میں حسن وخوبی آ گئی۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ وضو اور سعی حسن لغیرہ ہیں؛ کیونکہ وضوء میں اپنی ذاتی کوئی خوبی نہیں، بلکہ وضوء میں پانی بھی ضائع ہوتا ہے اور اعضاء کو سردی کی مشقت میں بھی ڈالنا ہے؛ مگر چونکہ وضو نماز کی کنجی ہے یعنی نماز تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور بغیر طہارت کے نماز درست نہیں ہوتی، اس بناء پر وضوء میں حسن آ گیا؛ چنانچہ وضوء مامور بہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ الخ" اسی طرح سعی کرنے میں اپنی ذاتی کوئی خوبی نہیں ہے؛ بلکہ نفس کو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے، بسا اوقات سعی کرنے اور جامع مسجد تک پہنچنے میں پسینہ پسینہ ہونا پڑتا ہے؛ مگر چونکہ سعی، ادائیگی جمعہ کا ذریعہ ہے، اس لیے اس میں حسن آ گیا۔ اور سعی قرآن پاک کی آیت: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ" کی وجہ سے مامور بہ ہے۔

(۲۳) اُصول الشاشی: ص/۴۱

اَلْوَاجِبُ بِحُكْمِ الْأَمْرِ نَوْعَانِ اَدَاءٌ وَقَضَاءٌ فَالْاَدَاءُ عِبَارَةٌ عَنْ تَسْلِيْمِ عَيْنِ الْوَاجِبِ اِلٰى مُسْتَحِقِّهٖ وَالْقَضَاءُ عِبَارَةٌ عَنْ تَسْلِيْمِ مِثْلِ الْوَاجِبِ اِلٰى مُسْتَحِقِّهٖ. ثُمَّ الْأَدَاءُ نَوْعَانِ كَامِلٌ وَقَاصِرٌ فَالْكَامِلُ مِثْلُ أَدَاءِ الصَّلٰوةِ فِيْ وَقْتِهَا بِالْجَمَاعَةِ أَوِ الطَّوَافِ مُتَوَضِّيًا وَتَسْلِيْمِ الْمَبِيْعِ سَلِيْمًا كَمَا اقْتَضَاهُ الْعَقْدُ اِلَى الْمُشْتَرِيْ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): مذکورہ اقسامِ اربعہ کی تعریفات مع امثلہ قلمبند کیجیے نیز اداءِ کامل اور اداءِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

قاصر کا حکم مع مثال تحریر کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** امر کے ذریعہ ثابت ہونے والے واجب کی دو قسمیں ہیں: (۱) اداء (۲) قضاء، پس اداءعینِ واجب کو اس کے مستحق کے پاس سپرد کرنے کا نام ہے، اور قضاء مثلِ واجب کو اس کے مستحق کے پاس سپرد کرنے کا نام ہے۔ پھر اداء کی دو قسمیں ہیں (۱) کامل (۲) قاصر۔ پس کامل، جیسے نماز کو اس کے وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا، یا با وضو طواف کرنا اور مبیع کو مشتری کی جانب صحیح سالم سپرد کرنا جیسا کہ عقد بیع نے اس کا تقاضا کیا ہے۔

(ج): **تشریح:** امر سے ثابت ہونے والی شی کی دو قسمیں ہیں، امر کے لیے خواہ صریح صیغہ استعمال کیا جائے۔ جیسے: اٰتُوا الزَّكٰوةَ. یا امر کے معنیٰ مطلوب ہوں۔ جیسے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ. یعنی لوگوں پر اللہ کے لیے خانۂ کعبہ کا حج ہے۔ الغرض مامور بہ کو بجالانا دو طرح سے ہوتا ہے (۱) اداء (۲) قضاء۔

اداء کی تعریف: عینِ واجب کو اس کے مستحق کے پاس سپرد کرنا۔ جیسے نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا۔

قضاء کی تعریف: مثلِ واجب کو اس کے مستحق کے پاس سپرد کرنا۔ جیسے نماز کو اس کے وقت کے نکل جانے کے بعد ادا کرنا۔

پھر اداء کی دو قسمیں ہیں: (۱) اداءِ کامل (۲) اداءِ قاصر۔

اداءِ کامل کی تعریف: مامور بہ کو ان صفات کے ساتھ ادا کرنا جن صفات کے ساتھ وہ ذمہ میں واجب ہوا ہے۔ جیسے: فرض نماز کو جماعت کے ساتھ اس کے وقت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

میں ادا کرنا، اور باوضوطواف کرنا (ان دونوں مثالوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے) نیز بائع کا مشتری کو ایسی مبیع سپرد کرنا جو عیب سے خالی ہو جیسا کہ عقد کا تقاضا بھی یہی ہے (اس مثال کا تعلق حقوق العباد سے ہے)۔

اداءِ کامل کا حکم: یہ ہے کہ اداء کرنے سے ادا کرنے والا ذمہ داری سے سکبدوش ہو جائے گا۔

اداءِ قاصر کی تعریف: یہ ہے کہ عینِ واجب کو اس کی صفت میں نقصان کے ساتھ ادا کرنا نہ کہ ذات میں نقصان کے ساتھ۔ جیسے تعدیلِ ارکان کے بغیر نماز پڑھنا۔ اسی طرح بحالتِ حدث یعنی بے وضو طواف کرنا اداءِ قاصر اور ناقص ہے اور واجب طواف، طوافِ زیارت ہے، لہٰذا طوافِ زیارت جب باوضو کرنا واجب ہے تو بے وضو طواف کرنے میں صفت کے اندر نقص پایا گیا، لہٰذا یہ طواف اداءِ قاصر ہوا نہ کہ کامل۔

اداءِ قاصر کا حکم: یہ ہے کہ اگر نقصان کی تلافی ممکن ہو تو پوری کر دی جائے، ورنہ نقصان کا حکم ساقط ہو جائے گا، البتہ ذمہ میں گناہ باقی رہے گا۔

قضاء کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) کامل (۲) قاصر۔

قضاءِ کامل: یہ ہے کہ صورۃً ومعنیً مثل واجب ادا کرے جیسے کسی نے کسی شخص کا ایک کیلو گیہوں غصب کیا اور انہیں کھالیا پھر اسی قسم کے دوسرے ایک کیلو گیہوں خرید کر غاصب نے واپس کر دیئے۔

قضاءِ قاصر: یہ ہے کہ صورۃً مثل نہ ہو معنیً مثل ہو اس کو ادا کرے۔ جیسے: کسی کی بکری غصب کر کے کھالی پھر اس کی قیمت ادا کر دی۔

فائدہ: اگر کسی چیز کے لیے کسی شی کو شریعت نے مثل مقرر کر دیا تو وہ شی مثلِ شرعی بن جاتا ہے۔ جیسے: شیخِ فانی کے حق میں روزہ کے بدلہ فدیہ۔

نوٹ: اگر نہ صورۃً مثل ہو نہ معنیً تو ایسی جگہ ضمان ساقط ہو جاتا ہے جیسے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اتلافِ منافع۔

(۲۴) اُصول الشاشی: ص/۴۶

وَعَلٰى هٰذَا قَالَ اَصْحَابُنَا النَّهْيُ عَنِ التَّصَرُّفَاتِ الشَّرْعِيَّةِ يَقْتَضِي تَقْرِيْرَهَا وَيُرَادُ بِذٰلِكَ أَنَّ التَّصَرُّفَ بَعْدَ النَّهْيِ يَبْقٰى مَشْرُوْعًا كَمَا كَانَ لِاَنَّهُ لَوْلَمْ يَبْقَ مَشْرُوْعًا كَانَ الْعَبْدُ عَاجِزًا عَنْ تَحْصِيْلِ الْمَشْرُوْعِ وَحِيْنَئِذٍ كَانَ ذٰلِكَ نَهْيًا لِّلْعَاجِزِ وَذٰلِكَ مِنَ الشَّارِعِ مُحَالٌ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): دونوں ذٰلِکَ کا مشارٌ الیہ اور تصرفاتِ شرعیہ وتقریرِ تصرفات کے معنیٰ مرادی بیان کرنے کے بعد عبارت کا مطلب واضح کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت بااعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اسی اصل پر (کہ تصرفاتِ شرعیہ سے نہی حسن بنفسہٖ اور قبیح لغیرہٖ ہوتا ہے) ہمارے اصحاب احناف نے فرمایا کہ تصرفاتِ شرعیہ سے نہی ان تصرفات کے باقی اور مشروع رہنے کا تقاضا کرتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ تصرف یعنی فعل شرعی نہی کے بعد اسی طرح مشروع ہوکر باقی رہے گا جیسا کہ وہ نہی سے پہلے مشروع تھا اس لیے کہ اگر وہ مشروع باقی نہ رہے تو بندہ فعل مشروع (یعنی جو پہلے مشروع تھا) کو حاصل کرنے سے عاجز ہوگا اور اس وقت یہ عاجز کو نہی کرنا ہوگا اور عاجز کو نہی کرنا شارع یعنی اللہ کی جانب سے محال ہے۔

(ج): **تشریح**: (وعلی هذا أي على النهي عن التصرفات

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

الشرعية يكون حسنًا بنفسه قبيحًا لغيره)

(ويراد بذٰلک أي بقولهم أن النهي عن التصرفات الشرعية يقتضي تقريرها).

اس سے اگلے سوال و جواب کے تحت آپ جانیں گے کہ افعالِ شرعیہ جن پر نہیں وارد ہوئی ہو وہ حسن لنفسہٖ اور قبیح لغیرہٖ ہوتے ہیں۔ جیسے: یوم النحر میں روزہ رکھنا، بیع فاسد کرنا وغیرہ، لہٰذا ہمارے اصحاب احناف نے اسی مذکورہ ضابطہ پر یہ مسئلہ متفرع کیا ہے کہ وہ افعالِ شرعیہ جن پر نہیں وارد ہوئی ہے وہ منہی عنہ ہونے کے بعد اسی طرح مشروع و مباح باقی رہیں گے جیسا کہ وہ نہی کے وارد ہونے سے پہلے مشروع تھے۔ جیسے: اگر کوئی شخص یوم النحر میں روزہ کی نذر مان کر روزہ رکھ لے تو نذر پوری ہو جانے کا حکم ہوگا۔

اسی طرح اگر حالتِ حیض میں وطی کرلی تو واطی کا محصن ہونا ثابت ہو جائے گا، کیونکہ یہ افعالِ شرعیہ اگر مشروع و مباح نہ رہیں تو بندہ تحصیلِ مشروع سے عاجز ہوگا یعنی بندہ ایسے کام کے کرنے سے عاجز مانا جائے گا جو قبل النہی مشروع تھے۔

اور جب بندہ عاجز ہوگیا تو اس کام پر نہی وارد کرنا فعل عبث ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اندھے سے کہے "تو مت دیکھ" اور دیکھنا اندھے کے اختیار میں ہے ہی نہیں اور اس فعل عبث کا صدور شریعت کی جانب سے محال ہے۔

الحاصل نہی کا مقصود ایسے فعل سے روکنا ہے جس کا کرنا اور نہ کرنا بندے کے اختیار اور قدرت میں ہوتا کہ بذریعہ نہی امتحان اور آزمائش ہو سکے کہ بندہ اس سے رُکتا ہے یا نہیں۔ اگر فعل منہی عنہ سے رُکتا ہے تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر نہیں رُکتا ہے تو عذاب کا مستحق ہوگا۔

نوٹ: تصرفاتِ شرعیہ سے مراد افعالِ شرعیہ ہیں جیسے روزہ رکھنا، نماز پڑھنا، بیع و شراء کرنا، اور تقریر تصرفات سے مراد ان افعال شرعی کا مشروع و مباح باقی رہنا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مزید تفصیل اگلے سوال میں ملاحظہ کریں۔

(۲۵) اُصول الشاشی: ص/۴۷

وَهٰذَا بِخِلَافِ نِكَاحِ الْمُشْرِكَاتِ وَمَنْكُوحَةِ الْآبِ وَمُعْتَدَّةِ الْغَيْرِ وَمَنْكُوحَتِهٖ وَنِكَاحِ الْمَحَارِمِ وَالنِّكَاحِ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ لِأَنَّ مُوْجَبَ النِّكَاحِ حَلُّ التَّصَرُّفِ وَمُوْجَبَ النَّهْيِ حُرْمَةُ التَّصَرُّفِ فَاسْتَحَالَ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا فَيُحْمَلُ النَّهْيُ عَلَى النَّفْيِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "هٰــــذا" کا مشار الیہ متعین کرتے ہوئے عبارت میں ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے، آپ اعتراض وجواب دونوں کی وضاحت کریں۔

(د): "نهي عن الأفعال الحسّية" اور "نهي عن الأفعال الشرعية" کی تعریف اور ایک ایک مثال مع حکم کے بیان کیجیے، نیز نہی اور نفی کے درمیان فرق کو واضح کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور یہ مشرکہ عورتوں اور باپ کی منکوحہ اور غیر کی معتدہ اور غیر کی منکوحہ کے ساتھ نکاح اور محارم عورتوں کے ساتھ نکاح اور بغیر گواہوں کے نکاح کے برخلاف ہے۔ اس لیے کہ نکاح کا مقتضی تصرف یعنی وطی وغیرہ کا حلال ہونا ہے اور نہی کا مقتضی تصرف کا حرام ہونا ہے پس حلت وحرمت دونوں کو جمع کرنا محال ہے، لہٰذا نہی کو نفی پر محمول کیا جائے گا۔

(د): پہلے اس جزء کو اس لیے حل کیا جا رہا ہے تاکہ اعتراض و جواب سمجھنے میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

آسانی ہو اور یہ بحث بالاستیعاب حل ہو جائے۔

نہی کی دو قسمیں ہیں: (۱) افعالِ حسیہ سے نہی (۲) افعالِ شرعیہ سے نہی۔

افعالِ حسیہ: وہ افعال ہیں جو حساً جانے جائیں شریعت پر ان کا وجود اور تحقق موقوف نہ ہو یا یوں کہہ لیجیے کہ افعالِ حسیہ وہ افعال ہیں جن کے معانی ورودِ شرع سے پہلے ہی معلوم ہوں۔

شرع کے وارد ہونے کے بعد ان میں کوئی تغیر نہ ہوا ہو۔ جیسے: زنا، جھوٹ، ظلم، شراب پینا وغیرہ یہ افعالِ حسیہ ہیں اور ان سے نہی "النهي عن الأفعال الحسية" کہلائے گی۔

چنانچہ زناء کے بارے میں اس آیت سے نہی وارد ہوئی: "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا" اور ان لفظوں کے جو معنیٰ شریعت کے وارد ہونے سے پہلے تھے وہی معنیٰ اب بھی ہیں نیز زنا، ظلم وغیرہ فعل حسی ہیں ان کا تعلق حواسِ ظاہرہ سے ہے اور یہ افعال ان لوگوں سے بھی صادر ہو سکتے ہیں جو شرع کو جانتے ہیں اور ان سے بھی صادر ہو سکتے ہیں جو شرع کو نہ جانتے ہوں، البتہ ان کا حکم شرع پر موقوف ہے۔

افعالِ شرعیہ: وہ افعال کہلاتے ہیں جن کا وجود اور تحقق شرع پر موقوف ہو یا یوں کہہ لیجیے کہ افعالِ شرعیہ وہ افعال ہیں کہ ورودِ شرع سے پہلے ان کے جو معانی تھے ورودِ شرع کے بعد وہ معانی بدل جائیں۔ جیسے: صوم، صلوٰۃ، بیع وغیرہ افعالِ شرعیہ ہیں اور ان سے نہی "النهي عن التصرفات الشرعية" کہلائے گی۔

ظاہر ہے کہ صوم و صلوٰۃ وغیرہ کا وجود اور تحقق شریعت کے جاننے پر موقوف ہے، کیونکہ جو شریعت کا علم نہیں رکھتا اس سے نماز وغیرہ کا تحقق و صدور بھی نہیں ہو سکتا، اور صوم و صلوٰۃ کے جو معنیٰ ورودِ شرع سے پہلے تھے وہ بھی متغیر ہو گئے، کیونکہ لغت میں صوم کے معنیٰ محض رُکنا ہے مگر شریعت میں چند قیودات کے ساتھ یعنی صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رُکنے کا نام ہے، اسی طرح صلوٰۃ و بیع وغیرہ۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

غرضیکہ یوم النحر (ایامِ قربانی) میں روزہ رکھنے پر چونکہ نہیں وارد ہوئی ہے، حدیث میں ہے: "آلَالَاتَصُوْمُوْا فِي هٰذه الايام فإنها أيام أكل وشرب وبعالٍ"۔

اسی طرح ایک درہم کو دو درہم کے بدلے بیچنے پر نہی وارد ہوئی ہے، حدیث میں ہے: "لَاتَبِيْعُوا الدِّرْهَمَ باالدِّرْهَمَيْنِ وَلَاالصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ" نیز اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنے پر نہی وارد ہوئی ہے۔ حدیث ہے: "ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهانا ان نصلى فيه وان نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تزول وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب.

وفي حديث آخر "حينئذٍ يسجد لها الكفار" یعنی ان اوقات میں کفار آفتاب کا سجدہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ان تمام میں نہی "النهي عن التصرفات الشرعية" کہلائے گی۔

افعالِ حسیہ سے نہی کا حکم: یہ ہے کہ افعالِ حسیہ میں منہی عنہ یعنی جس سے منع کیا گیا ہے بعینہٖ وہی چیز ہوتی ہے، جس پر نہی وارد ہوئی ہے۔ پس اس کی ذات ہی قبیح ہوگی اور یہ چیز بالکل بھی مشروع اور مباح نہ ہوگی۔ لہٰذا افعالِ حسیہ قبیح لعینہٖ ہوتے ہیں، جو کسی بھی حال میں مشروع نہیں ہوسکتے، نہ ذاتاً اور نہ وصفاً جیسے کفر اور ظلم، زنا وغیرہ۔ مثلاً کفر پر نہی وارد ہوئی "ولاتکفرون" اور منہی عنہ کفر ہی ہے۔

افعالِ شرعیہ سے نہی کا حکم: یہ ہے کہ افعالِ شرعیہ میں منہی عنہ بعینہٖ وہی چیز نہیں ہوتی جس پر نہی وارد ہوتی ہے، بلکہ جس کی طرف نہی کی نسبت کی گئی ہے منہی عنہ اس کے علاوہ ہوتا ہے۔ جیسے: عیدالاضحٰی کے دن روزہ رکھنے پر نہیں وارد ہوئی "أَلَالَاتَصُوْمُوْا فِيْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ" میں مگر منہی عنہ جس سے دراصل روکا گیا ہے وہ دوسری چیز ہے یعنی اللہ کی ضیافت سے اعراض۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ يَجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَانَا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

''کہ جو دعوت قبول نہ کرے اس نے ہماری نافرمانی کی'' والی غیر ذلک

الحاصل افعالِ شرعیہ جن پر نہی وارد ہوئی ہے وہ حسن لعینہ اور قبیح لغیرہٖ ہے تو یوم النحر میں روزہ رکھنا قبیح لغیرہٖ ہوگا، کیونکہ روزہ اپنی ذات کے اعتبار سے اچھی چیز ہے اور حسن بنفسہٖ ہے، مگر اس میں قباحت اس اعتبار سے ہے کہ یوم النحر میں روزہ رکھنے سے اعراض عن ضیافۃ اللہ لازم آتا ہے، لہٰذا یہ قبیح لغیرہٖ ہوگا۔

اور افعالِ شرعیہ احناف کے نزدیک منہی عنہ ہونے کے باوجود مشروع رہتے ہیں۔ جیسا کہ نہی کے وارد ہونے سے پہلے مشروع تھے، لہٰذا افعالِ شرعیہ منہی عنہ پر اگر کوئی شخص عمل کرے، تو چونکہ وہ مشروعیت اور بقاء کا تقاضا کرتے ہیں، تو ان کو بجالانے کے بعد ان پر احکام مرتب ہوں گے، مثلاً اگر کوئی شخص یوم النحر میں روزہ کی نذر مان کر روزہ رکھ لے تو نذر پوری ہو جانے کا حکم ہوگا اور امام شافعیؒ و امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں روزہ رکھنا معصیت ہے اور ان ایام کے روزوں کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے۔

نہی و نفی میں فرق: نہی کے اندر منہی عنہ سے باز رہنا اور اس کے ارتکاب سے رُک جانا بندہ کے اختیار میں ہوتا ہے، لہٰذا رُکنے پر وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ رُکنے پر عذاب کا۔ اور نفی کے اندر بندہ کو فعل منہی عنہ سے باز رہنے کا اختیار ہی نہیں ہوتا، لہٰذا اس پر ثواب و عقاب کا استحقاق بھی نہیں ہوتا۔

مثلاً بینا آدمی دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اگر آپ اس سے کہیں کہ مت دیکھ تو یہ نہی ہے اور اگر نابینا (اندھا) سے کہیں کہ مت دیکھ تو یہ نفی ہوگی نہی نہ ہوگی۔

(ج): وهٰذا الخ أي أن بعد النهي عن التصرفات الشرعية اقتضاء تقريرها. (یعنی تصرفاتِ شرعیہ کا منہی عنہ ہونے کے بعد بقاء مشروعیت کا تقاضا کرنا)۔

اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ جب احناف کے نزدیک افعال شرعیہ منہی عنہ ہونے کے بعد مشروع رہتے ہیں، تو چونکہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مشرکہ عورتوں سے نکاح کرنے پر ''وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ'' کے اندر نہی وارد ہوئی ہے کہ تم مشرکہ عورتوں سے نکاح مت کرو، اسی طرح باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے پر نہی وارد ہوئی ہے ''وَلَا تَنْكِحُوا مَانَكَحَ آبَآءُ كُمْ'' کے اندر یعنی جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ان سے تم نکاح مت کرو اسی طرح غیر کی منکوحہ سے نکاح کرنے پر نہی وارد ہوئی ہے ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُم ...... الْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ'' کے اندر اس میں غیر کی منکوحہ سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے اور معتدۃ الغیر بھی اسی حکم میں ہے۔

اسی طرح محارم عورتیں مثلاً ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے نکاح کرنے پر نہی وارد ہوئی ہے ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ الخ'' کے اندر۔ اسی طرح بغیر گواہوں کے نکاح کرنے پر نہی وارد ہوئی ہے، حدیث ''لَانِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ'' کے اندر۔ تو مذکورہ تمام شکلوں میں نکاح جو فعل شرعی ہے، جس پر نہی وارد ہوئی ہے وہ منہی عنہ ہونے کے بعد مشروع رہنا چاہیے اور مذکورہ تمام شکلوں میں نکاح منعقد ہو جانا چاہیے، جیسا کہ بیع فاسد منہی عنہ ہے، لیکن اگر بیع فاسد کرلی گئی تو وہ مفید ملک ہوتی ہے اور بیع فاسد اصل کے اعتبار سے مشروع رہتی ہے، اگرچہ وصف کے اعتبار سے غیر مشروع ہے۔

لہٰذا مذکورہ تمام شکلوں میں نکاح منعقد ہو جانا چاہیے، حالانکہ کوئی بھی نکاح مشروع نہیں ہے، نہ ذاتاً اور نہ وصفاً۔ فَمَا الْجَوَابُ اَيُّهَا الْاَحْنَاف؟

جواب: یہ ہے کہ واقعی افعالِ شرعیہ منہی عنہ ہونے کے بعد مشروع رہتے ہیں اور مذکورہ نکاح بھی فعل شرعی ہے، مگر ان نکاحوں کے مشروع رہنے میں ایک مجبوری ہے وہ یہ کہ اگر نکاح کو مشروع رکھا جائے تو اجتماع ضدین لازم آئے گا۔

کیونکہ نکاح کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ وطی اور دیگر تصرف حلال ہوں اور نہی وارد ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وطی اور دیگر تصرف حرام ہوں اور یہ دونوں حلت وحرمت بیک وقت جمع نہیں ہوسکتیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

تو اب نہی کے بعد بقاء مشروعیت اور عدمِ بقاء مشروعیت کے سلسلہ میں ضابطہ یہ ہوگا کہ افعالِ شرعیہ میں نہی کے بعد مشروعیت وہاں باقی رہے گی، جہاں بقاءِ مشروعیت کے ساتھ نہی کے موجب یعنی حرمت کو ثابت کرنا ممکن ہو اور مذکورہ نکاحوں میں ان دونوں چیزوں کو ثابت کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا ان تمام جگہوں میں نہی بمعنیٰ نفی ہے۔

برخلاف بیع فاسد کے کہ وہاں دو چیزوں میں منافات نہیں ہے، بلکہ دونوں چیزوں کو جمع کرنا ممکن ہے یعنی بیع کا تقاضا ہے مفید ملک ہونا اور نہی کا تقاضا ہے تصرف کا حرام ہونا اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز ملکیت میں بھی ہو اور اس میں تصرف کرنا حرام ہو جیسے مسلمان کی ملکیت میں اگر انگور کا عرق، شراب بن جائے تو ملکیت باقی رہے گی، کیونکہ اصلاً اور ابتداءً اس میں اس شخص کی ملکیت تھی لیکن تصرف کرنا حرام ہوگا، کیونکہ اب یہ شراب ہے۔ فلامنافاۃ بینھما۔

(۲۶) اُصول الشاشی: ص/۴۸

وَلِهٰذَا قُلْنَا: لَوْشَرَعَ فِي النَّفْلِ فِيْ هٰذِهِ الْأَوْقَاتِ لَزِمَهٗ بِالشُّرُوْعِ، وَارْتِكَابُ الْحَرَامِ لَيْسَ بِلَازِمٍ لِلُزُوْمِ الْإِتْمَامِ، فَإِنَّهٗ لَوْصَبَرَ حَتّٰى حَلَّتِ الصَّلٰوةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ وَغُرُوْبِهَا وَدُخُوْلِهَا اَمْكَنَهُ الْاِتْمَامُ بِدُوْنِ الْكَرَاهَةِ وَبِهٖ فَارَقَ صَوْمُ يَوْمِ الْعِيْدِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "ھٰذا" اور "ھٰذہ الأوقات" کا مصداق متعین کرتے ہوئے مطلب تحریر کریں، اور "وبہ فارق صوم یوم العید" کی اچھی طرح وضاحت کریں۔

جواب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** اور اسی وجہ سے (یعنی افعالِ شرعیہ سے نہی بقاءِ مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے) ہم نے کہا کہ اگر کسی نے ان اوقات مکروہہ میں نفل نماز شروع کردی تو اس پر شروع کرنے کی وجہ سے وہ نفل نماز لازم ہوجائے گی اور نمازِ نفل پورا کرنے کے لازم ہونے کے لیے حرام کا ارتکاب ضروری نہیں ہے۔ پس اگر وہ صبر کرے یہاں تک کہ اس کے لیے سورج کے طلوع ہونے اور غروب ہونے اور سورج کے ڈھلنے کی وجہ سے نماز جائز ہوجائے تو اس کے لیے بغیر کراہت کے نمازِ نفل پوری کرنا ممکن ہے۔ اور حرام کا ارتکاب لازم نہ آنے کی وجہ سے نفل، یوم عید کے روزہ سے جدا ہوگیا۔

(ج): **تشریح:** وهٰذا الخ أي انّ النهي يوجب بقاء التصرف مشروعًا.
یعنی افعالِ شرعیہ سے نہی بقاءِ مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور "هٰذه الأوقات" سے مراد مکروہ اوقات ہیں یعنی طلوعِ شمس، غروبِ شمس، اور زوالِ شمس کا وقت۔ افعالِ شرعیہ چونکہ منہی عنہ کے بعد بھی مشروع رہتے ہیں، لہٰذا اسی ضابطہ پر مسئلہ متفرع کرتے ہوئے مصنفؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنے کی نذر مان لی تو صحیح ہے۔

کیونکہ نماز اپنی ذات کے اعتبار سے حسن ہے مگر اوقاتِ مکروہہ کی بناء پر وہ نماز قبیح لغیرہٖ ہے، کیونکہ نماز پڑھنا ان اوقات میں نہی کے وارد ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے تو کراہت سے بچنے کی غرض سے ان اوقاتِ مکروہہ کے بعد اپنی نذر پوری کرلے، لیکن اگر کسی نے "النهي عن التصرفات الشرعية يقتضي تقريرها" والے ضابطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اوقاتِ مکروہہ میں نفل نماز پڑھنی شروع کردی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس نماز کو پورا کرنا لازم ہے، کیونکہ اس شخص نے ایسی نماز کو شروع کیا ہے جو فی نفسہٖ مشروع ہے اور ہر مشروع کام کو شروع کرنے کا بندے کو اختیار ہے اور شروع کرنے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کے بعد اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس نفل نماز کو اوقاتِ مکروہہ میں پورا کرنے سے حرام کا ارتکاب لازم آئے گا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وقت تو نماز کے لیے ظرف ہے، اس لیے نفل نماز پورا کرنے میں حرام کا ارتکاب لازم نہیں آئے گا، اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ شروع کردہ نماز کو توڑ دے اور اتنی دیر صبر کرے کہ مکروہ وقت ختم ہو جائے اور اس کے لیے نماز پڑھنا حلال اور جائز ہو جائے اور وہ نماز پڑھ لے، لہٰذا نماز کو پورا کرنا بغیر کسی کراہت اور بلا مرتکبِ حرام صحیح ہوگا۔

وبـــه فـــارق الـخ: اور مذکورہ تفصیل کہ نفل نماز پوری کرنے کے لیے حرام کا ارتکاب ضروری نہیں ہے، اس تفصیل سے نفل نماز، عید کے دن روزہ رکھنے سے جدا ہوگئی یعنی نفل نماز کو پورا کرنے میں ارتکابِ حرام لازم آتا ہے، اسی لیے اگر عید کے دن روزہ رکھنا شروع کر دیا تو طرفینؒ کے نزدیک اس کا پورا کرنا لازم نہ ہوگا۔

کیونکہ دن روزہ کے لیے معیار ہے کہ بندہ کو روزہ پورا کرنے کے لیے صبح صادق سے غروب آفتاب تک اکل و شرب و جماع سے رُکنا پڑے گا، حالانکہ یہ دن اللہ کی ضیافت کا ہے۔ لہٰذا روزہ کو پورا کرنا بلا ارتکابِ حرام ممکن نہیں ہے یعنی ایسی کوئی شکل نہیں کہ اعراض عن ضیافۃ اللہ بھی نہ ہو اور روزہ پورا بھی ہو جائے۔ پس دونوں قسموں کے مسئلہ میں فرق واضح ہو گیا اور نفل نماز کا مسئلہ صوم یوم العید کے مسئلے سے جدا ہو گیا۔

(۲۷) اُصول الشاشی: ص/۵۴

اَلْفَاءُ لِلتَّعْقِيبِ مَعَ الْوَصْلِ وَلِهٰذَا تُسْتَعْمَلُ فِي الْاَجْزِيَةِ لِمَا أَنَّهَا تَتَعَقَّبُ الشَّرْطَ قَالَ اَصْحَابُنَا إِذَا قَالَ بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِاَلْفٍ فَقَالَ الْآخَرُ فَهُوَ حُرٌّ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَبُوْلًا لِلْبَيْعِ اِقْتِضَاءً وَيَثْبُتُ الْعِتْقُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

مِنْهُ عَقِيْبَ الْبَيْعِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): تعقیب، اجزیہ اور اقتضاء کے مرادی معنیٰ لکھ کر عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: فاء تعقیب مع الوصل کے لیے آتا ہے اور اسی وجہ سے فاء جزاؤں میں استعمال کی جاتی ہے، کیونکہ جزائیں شرط کے بعد آتی ہیں۔ ہمارے اصحاب احنافؒ نے فرمایا کہ جب بائع کہے: بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفٍ (میں نے تجھ سے یہ غلام ایک ہزار کے عوض فروخت کیا) پس مشتری نے فَهُوَ حُرٌّ کہا (تو وہ آزاد ہے) تو قائل کا قول "فَهُوَ حُرٌّ" اقتضاءً بیع کو قبول کرنا ہوگا اور بیع کے بعد اس قول سے آزادی ثابت ہو جائے گی۔

(ج): **تشریح**: الفاء للتعقیب مع الوصل: فاء تعقیب مع الوصل کے لیے آتا ہے یعنی فاء معطوف و معطوف علیہ کے درمیان واقع ہو کر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے بعد فوراً واقع ہے بالترتیب مگر بلا مقارنت اور بلا مہلت کے۔ عبارت کے اندر مذکور لفظ تعقیب کا یہی مطلب ہے کہ معطوف کا وقوع معطوف علیہ کے بعد ہے۔ پس معلوم ہوا کہ معطوف و معطوف علیہ میں وقوع کے اعتبار سے ترتیب کا لحاظ ہے نہ کہ مقارنت کا اور مقارنت کا مطلب یہ ہے کہ معطوف و معطوف علیہ کا وقوع ایک وقت میں ہو۔ اور مع الوصل کا مطلب بلا تاخیر اور بلا مہلت کے ہے، اِلّا یہ کہ وصل کے خلاف کوئی قرینہ موجود ہو جیسے قائل کا قول نکحت فولدت کہ نکاح کے بعد فوراً ولادت نہیں ہو سکتی، بلکہ استقرار حمل کے بعد چھ ماہ کا فصل ضروری ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ولهذا تستعمل فی الاجزية الخ: جزاء چونکہ شرط کے بعد فوراً بلا تاخیر کے واقع ہوتی ہے اس لیے جزاء پر بھی فاء استعمال کیا جاتا ہے جیسے اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے: ان دخلت الدار فأنت طالق تو دخولِ دار کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔

قال أصحابنا الخ: یہاں سے مصنفؒ فاء کے تعقیب کے لیے ہونے پر مثال پیش کر رہے ہیں کہ اگر بائع مشتری کو مخاطب کر کے یہ کہے: بعتُ منک هذا العبد بالفِ. میں نے تیرے ہاتھ یہ غلام ایک ہزار کے عوض بیچا۔ یہ سن کر مشتری نے کہا: "فهو حرٌّ (اچھا تو یہ غلام آزاد ہے) پس مشتری کا قول "فهو حرٌّ" اقتضاءً بیع کو قبول کرنا ہوگا اور پھر بیع کے بعد اس کی طرف سے آزادی ثابت ہو جائے گی، گویا مشتری نے یوں کہا ہے "قبلته فهو حرٌّ" کہ میں نے بیع قبول کیا پھر اس کو آزاد کیا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں حریت بغیر قبولِ بیع کے متحقق نہیں ہو سکتی، کیونکہ جب تک مشتری بیع قبول نہیں کرے گا غلام کا مالک نہیں ہوگا اور جب تک غلام کا مالک نہیں ہوگا، غلام کو آزاد کرنا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ حدیث میں ہے: "لا عتق فیما لا یملکه ابن آدم" لہٰذا مجبوراً یہاں قبول کو مقدر ماننا جائے گا گویا مشتری نے یوں کہا: "قبلت فهو حرٌّ" اور اگر مشتری بغیر فاء کو استعمال کرے واؤ کے ساتھ "وَهُوَ حُرٌّ" کہے یا بغیر واؤ کے "هُوَ حُرٌّ" کہے تو چونکہ اس کلام میں فاء نہیں ہے جو غلام کی حریت کا بیع کے اوپر مرتب ہونے کا تقاضا کرے، لہٰذا اس شکل میں اقتضاءً قبولِ بیع کو ثابت ماننا یقینی نہیں ہے۔

فائدہ: کبھی فاء بیانِ علت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، کیونکہ معلول، علت کے فوراً بعد واقع ہوتا ہے۔ بیانِ علت کی دو صورتیں ہیں: (۱) یہ کہ فاء علت پر داخل ہو تا کہ معلوم ہو جائے کہ فاء کا مابعد ماقبل کی علت ہے (۲) یہ کہ فاء داخل ہو حکم یعنی معلول پر۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۲۸) اُصول الشاشی: ص/ ۵۶

ثُـمَّ لِلتَّرَاخِي لٰكِنَّهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ يُفِيْدُ التَّرَاخِيَ فِي اللَّفْظِ وَالْحُكْمِ وَعِـنْـدَهُـمَـا يُـفِـيْـدُ التَّـرَاخِـيَ فِيْ الْحُكْمِ. وَبَيَانُهُ فِيْمَا إِذَاقَالَ لِغَيْرِ الْمَدْخُوْلِ بِهَا إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ طَالِقٌ ثُمَّ طَالِقٌ فَعِنْدَهُ يَتَـعَـلَّـقُ الْأُوْلٰـى بِـالـدُّخُـوْلِ وَتَـقَعُ الثَّانِيَةُ فِي الْحَالِ وَلَغَتِ الثَّالِثَةُ وَعِنْدَهُمَا يَتَعَلَّقُ الْكُلُّ بِالدُّخُوْلِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): مطلب لکھتے ہوئے "تراخی في اللفظ" اور "تراخي في الحکم" کی مراد واضح کریں، اور "غیر مدخول بها" کی قید کا فائدہ بیان کریں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: ثم تراخی اور مہلت کے لیے آتا ہے، لیکن ثمّ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لفظ اور حکم دونوں میں تراخی کا فائدہ دیتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صرف حکم میں تراخی کا فائدہ دیتا ہے اور اس اختلاف کا بیان اس قول میں ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہے إن دخلت الدار فأنت طالق ثم طالق ثمّ طالق. تو امام صاحبؒ کے نزدیک پہلی طلاق دخولِ دار پر معلق ہوجائے گی اور دوسری طلاق فی الحال واقع ہوجائے گی اور تیسری طلاق لغو ہوجائے گی اور امام صاحبینؒ کے نزدیک کل طلاقیں دخولِ دار پر معلق ہوں گی۔

(ج): **تشریح**: حروفِ عاطفہ میں سے ایک حرفِ عطف ثم ہے۔ ثم تراخی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کے لیے آتا ہے یعنی معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان اس فعل میں مہلت اور فصل ہوتا ہے جو فعل ان دونوں کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، چنانچہ جاء ني زيد ثم عمرو کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کی آمد زید کی آمد سے کچھ بعد میں ہوئی ہے، اور ضربت زيدا ثم عمروا کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کا مارا جانا زید کے مارے جانے کے کچھ بعد میں ہوا ہے۔

الحاصل اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ثم تراخی اور مہلت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ثم تکلم اور حکم دونوں میں تراخی کا فائدہ دیتا ہے یا صرف حکم میں۔

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ثم تکلم اور حکم دونوں میں تراخی کا فائدہ دیتا ہے اور حضرات صاحبینؒ صرف حکم میں تراخی کے قائل ہیں۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ ثم تراخی کے لیے وضع کیا گیا ہے اور ہر چیز میں اس کا کمال اصل ہے اور کمالِ تراخی یہ ہے کہ تکلم اور حکم دونوں میں تراخی ہو، اس لیے کہ اگر صرف حکم میں تراخی ہو اور تکلم میں تراخی نہ ہو جیسا کہ صاحبین کہتے ہیں تو اس صورت میں من وجہٍ تراخی موجود ہوگی اور من وجہٍ موجود نہ ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر حکم کے ساتھ تکلم میں بھی تراخی مان لی جائے تو عطف کے معنیٰ کی رعایت نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ انفصال کے ساتھ عطف صحیح نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کلام حقیقۃً بھی متصل ہے اور حسًّا بھی لہٰذا انفصال کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔ اور جب ایسا ہے تو حکم میں اگرچہ تراخی ہوگی، لیکن تکلم میں تراخی نہ ہوگی۔

امام صاحبؒ کی طرف سے جواب یہ ہوگا کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان صورۃً اتصال کافی ہے اور وہ یہاں موجود ہے، کیونکہ بولنے والا تو اپنے کلام مثلاً جاء نی زید ثم عمرو کا تلفظ صورۃً بلا سکوت وتوقف کے ہی کر رہا ہے گو حقیقت کے لحاظ سے اس کا یہ کلام اس درجہ میں ہے کہ گویا اس نے جاء ني زيد کے تکلم کے بعد سکوت کر کے ثم عمرو کا تکلم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کیا ہے، لہٰذا تراخی فی اللفظ اور فی الحکم مراد لینے میں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔

تراخی دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) تراخی فی اللفظ (۲) تراخی فی الحکم۔ تراخی فی اللفظ کی دو شکلیں ہیں۔

پہلی شکل: یہ ہے کہ بولنے والا معطوف علیہ کا تکلم کرنے کے بعد کچھ توقف اور سکوت کرے پھر معطوف کا تکلم کرے، مثلاً جاء ني زيد کہہ کر سکوت اختیار کرے پھر ثم عمرو کہے تو یہ تراخی فی اللفظ صورۃً بھی ہے اور حقیقۃً بھی۔

دوسری شکل: یہ ہے کہ تکلم میں صورۃً تو اتصال ہو مثلاً بولنے والا جاء ني زيد ثم عمرو کا لگاتار بلا سکوت تکلم کرے، مگر چونکہ متکلم نے کلام میں ثم کا استعمال کیا ہے، تو گویا صورۃً تراخی نہ ہو، مگر حقیقۃً تراخی ہے اور متکلم کا یہ کلام اس درجہ میں ہے کہ گویا اس نے جائني زيد کہہ کر سکوت اختیار کیا ہے پھر ثم عمرو کا تکلم کیا ہے۔ یہاں تراخی فی اللفظ سے یہی آخری صورت مراد ہے۔

تراخی فی الحکم: اس کا مطلب یہ ہے کہ معطوف و معطوف علیہ سے جس فعل کا تعلق ہے اس کے واقع ہونے اور اس کے نفس الامر کے اندر پائے جانے میں تراخی ہو۔ جیسے: جاء نی زید ثم عمرو کے اندر تراخی فی الحکم کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زید آیا پھر کچھ دیر بعد عمرو آیا۔

وبيانه فيما إذا قال الخ: حضرت امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف کا ثمرہ ظاہر کرنے کے لیے فاضل مصنفؒ نے ایک مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے "ان دخلت الدار فأنت طالق ثم طالق ثم طالق" کہا تو امام صاحبؒ کے نزدیک پہلی طلاق دخولِ دار پر معلق ہوگی اور دوسری طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی اور تیسری طلاق لغو ہو جائے گی۔

کیونکہ پہلی طلاق بغیر عطف کے دخولِ دار کی شرط کے ساتھ متصل ہے، لہٰذا بغیر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

دخولِ دار کے فی الحال یہ طلاق واقع نہ ہوگی اور دوسری اور تیسری طلاق کو چونکہ لفظِ ثم سے ذکر کیا گیا ہے تو یہ ایسا ہوگیا گویا کہ ان دخلت الدار فانت طالق کہہ کر شوہر نے سکوت کیا ہے اور پھر ثم طالق کا ازسرِ نو تکلم کیا ہے، پھر اس کے بعد سکوت اختیار کرکے ثم طالق کا تلفظ کیا ہے، لہٰذا پہلی طلاق دخولِ دار پر معلق ہوجائے گی۔

اور دوسری طلاق کا چونکہ ماقبل والی شرط دخولِ دار سے کوئی تعلق نہیں رہا اور فی الحال عورت محل طلاق بھی ہے، لہٰذا دوسری طلاق فی الحال واقع ہوجائے گی اور غیر مدخول بہا عورت چونکہ ایک طلاق سے بائنہ ہوجاتی ہے اور اس پر عدت بھی واجب نہیں ہوتی، اس لیے دوسرے طالق سے طلاق واقع ہوتے ہی یہ عورت محل طلاق نہیں رہے گی اور جب یہ عورت محل طلاق نہیں رہی تو محل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے تیسری طلاق لغو ہوجائے گی۔

صاحبینؒ کے نزدیک ثم صرف حکم میں تراخی کے لیے آتا ہے نہ کہ تلفظ میں، لہٰذا شوہر کے کلام میں مذکورہ تینوں طلاقیں شرط یعنی "إن دخلت الدار" سے متصل ہوں گی اور تینوں طلاقیں دخولِ دار پر معلق ہوں گی اور ثم چونکہ تراخی فی الحکم پر دلالت کرتا ہے، تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ دخولِ دار پائے جانے پر تینوں طلاقیں ترتیب سے واقع ہوں گی، مگر چونکہ یہ عورت غیر مدخول بہا ہے، اس لیے وہ پہلی طلاق سے ہی بائنہ ہوجائے گی اور دو طلاقیں لغو ہوجائیں گی، کیونکہ بائنہ ہونے کے بعد وہ عورت محلِ طلاق نہیں رہی۔

نوٹ: غیر مدخول بہا کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر عورت مدخول بہا ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک مذکورہ مسئلہ میں دوسری اور تیسری طلاق واقع ہوجائے گی اور پہلی طلاق دخولِ دار پر معلق رہے گی۔ کیونکہ یہ عورت محل طلاق ہے اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک دخولِ دار پائے جانے پر تینوں طلاقیں ترتیب سے واقع ہوں گی اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی۔

متن کے مذکورہ مسئلہ میں تینوں حضرات کے نزدیک ایک ہی طلاق واقع ہوگی، لیکن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

امام صاحبؒ کے نزدیک دوسری طلاق واقع ہوئی اور صاحبینؒ کے نزدیک پہلی طلاق واقع ہوئی اور اسی سے وہ بائنہ ہوگئی، کیونکہ غیر مدخول بہا ایک طلاق کے بعد محل طلاق نہیں رہتی۔

(۲۹) اُصول الشاشی: ص/۶۱

حَتّٰی لِلْغَايَةِ كَالٰى فَإِذَا كَانَ مَاقَبْلَهَا قَابِلًا لِلْاِمْتِدَادِ وَمَابَعْدَهَا يَصْلُحُ غَايَةً لَهُ كَانَتِ الْكَلِمَةُ عَامِلَةً بِحَقِيْقَتِهَا مِثَالُهُ مَاقَالَ مُحَمَّدٌ: إِذَاقَالَ عَبْدِي حُرٌّ اِنْ لَمْ اَضْرِبْكَ حَتّٰی يَشْفَعَ فُلَانٌ اَوْحَتّٰی تَصِيْحَ أَوْحَتّٰی تَشْتَكِي بَيْنَ يَدَيَّ أَوْحَتّٰی يَدْخُلَ اللَّيْلُ كَانَتِ الْكَلِمَةُ عَامِلَةً بِحَقِيْقَتِهَا.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): اس فصل میں "حتی" کے تین استعمال بیان کیے گئے ہیں آپ ان تینوں کو مع امثلہ بوضاحت لکھیے۔

جواب

(الف): عبارت بااعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: حتیٰ، الیٰ کی طرح غایت کے لیے ہے پس جب حتیٰ کا ماقبل امتداد کو قبول کرنے والا ہو اور حتیٰ کا مابعد اس امتداد کے لیے غایت بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو کلمہ یعنی حتیٰ اپنی حقیقت یعنی غایت پر عمل کرنے والا ہوگا۔

مثاله الخ اس کی مثال (اي مثال مايكون حتى عاملة بحقيقتها) وہ مسئلہ ہے جس کو امام محمدؒ نے بیان کیا ہے: جب مولیٰ کہے میرا غلام آزاد اگر میں تجھ کو نہ ماروں یہاں تک کہ فلاں سفارش کرے یا میرا غلام آزاد یہاں تک کہ تو چیخنے لگے یا یہاں تک کہ تو میرے سامنے شکایت کرے یا یہاں تک کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

رات کا وقت آ جائے تو کلمۂ حتی اپنی حقیقت یعنی غایت کے ساتھ عامل ہوگا۔

(ج): **تشریح**: حتی کی اصل الیٰ کی طرح غایت کے لیے ہونا ہے، اگر چہ یہاں حتیٰ کو حروفِ عاطفہ میں شمار کیا گیا ہے اور اس فصل کے اخیر میں حتیٰ عطف کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔ اور غایت کے معنیٰ "ماینتھی الیہ الشئ" کے ہیں یعنی وہ چیز جس پر پہنچ کر کسی شئ کی حد اور انتہاء ہو جائے۔

حتّٰی کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ حتیٰ کی تین حالتیں ہیں: (ا) حتّٰی کا ماقبل امتداد یعنی بڑھنے اور دراز ہونے کی صلاحیت رکھے اور حتی کا مابعد اس امتداد کی غایت اور انتہاء بن سکے تو اس صورت میں حتیٰ غایت کے لیے ہوگا اور یہی اس کے حقیقی معنیٰ ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے: إذا قال عبدی حُرٌّ ان لم اضربک حتی یشفع فلان الخ یعنی میرا غلام آزاد ہے اگر میں تجھ کو نہ ماروں (یعنی مارتا رہوں گا) یہاں تک کہ فلاں سفارش کرے، یا تو چلانے لگے، یا تو میرے سامنے شکایت کرے یا رات آ جائے تو ان تمام شکلوں میں حتیٰ اپنی حقیقت پر عمل کرے گا یعنی حتیٰ برائے غایت ہوگا؛ کیونکہ حتیٰ کا ماقبل یعنی مار پیٹ، امتداد اور طول پکڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے، ظاہر ہے کہ جب پٹائی مکرر اور مستقل ہوگی تو وہ یقیناً ممتد ہو جائے گی اور حتی کا مابعد یعنی کسی کا سفارش کرنا یا مخاطب کا چلّانا، شکوہ شکایت کرنا یا مارتے مارتے رات کا آ جانا یہ سب چیزیں اس مار پٹائی کی غایت ہو سکتی ہیں؛ کیونکہ لوگوں کا یہ مزاج ہے کہ جب کوئی آدمی مضروب کی سفارش کرنے لگے یا مضروب چیخنے چلّانے لگے یا مارتے مارتے رات کا وقت آ جائے تو لوگ مار پٹائی کو روک دیتے ہیں، للہٰذا قسم سے بَری ہونے کے لیے اس وقت تک مار پٹائی کرتے رہنا ضروری ہے جب تک کوئی سفارش نہ کرے یا مضروب چلّانے لگے وغیرہ؛ کیونکہ اس نے مار پٹائی کی انتہاء یہی چیزیں بیان کی تھی، للہٰذا اگر ضارب غایت سے پہلے ہی پٹائی سے رُک گیا یعنی اس نے کسی کی سفارش یا مضروب کے رونے چلّانے یا رات کے آنے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

سے پہلے ہی مار پٹائی بند کردی تو حانث ہو جائے گا اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا، اسی طرح اس نے اگر اس کو بالکل مارا ہی نہیں تب بھی حانث ہو جائے گا۔

(۲) اگر حتیٰ کا ماقبل امتداد کی اور مابعد غایت بننے کی صلاحیت نہ رکھے یا دونوں میں سے کوئی ایک جزء مفقود ہو؛ لیکن حتیٰ کا ماقبل سبب بننے کی اور حتیٰ کا مابعد جزاء بننے کی صلاحیت رکھے تو اب حتیٰ کو جزاء پر ہی محمول کیا جائے گا اور حتیٰ لام کَیْ کے معنیٰ میں ہوگا۔

مثالہٗ: مَاقَالَ محمدٌ إِذَاقَالَ لِغَيْرِهٖ عَبْدِيْ حُرٌّ اِنْ لَمْ آتِکَ حَتّٰى تُغَدِّيَنِيْ الخ اگر مولیٰ اپنے غیر سے کہے کہ میرا غلام آزاد ہے اگر میں نہ آؤں آپ کے پاس تاکہ آپ مجھے صبح کا کھانا کھلائیں یعنی اگر مجھ سے ایسے اتیان کا صدور نہ ہوا جس کی جزاء صبح کا کھانا ہو تو میرا غلام آزاد ہے یعنی میرا غلام اس شکل میں آزاد ہے جب میں آپ کے پاس تغدیہ کے لیے نہ آؤں، لہٰذا مولیٰ اپنے غیر کے پاس آیا اور محبت بھرے انداز میں تعظیم کے ساتھ آیا نہ کہ اس کو ضرب وشتم کرنے کے لیے مگر غیر نے اس کو صبح کا کھانا نہیں کھلایا تو مولیٰ حانث نہ ہوگا یعنی اس کا غلام آزاد نہ ہوگا؛ کیونکہ اس نے اپنا حلف پورا کر دکھایا کہ وہ اس غیر کے پاس تغدیہ کے لیے آ گیا اور رہا صبح کا کھانا کھلانا تو وہ اس غیر کا فعل ہے، اس سلسلہ میں متکلم کو کوئی اختیار نہیں ہے؛ لہٰذا حانث ہونے کی شرط یعنی "عدم الاتیان للتغدی" نہیں پائی گئی۔ اور یہ کہ جب حتیٰ سببیت کے لیے ہو تو حالف کا اپنی قسم میں بَری ہونے کے لیے صرف سبب کا پایا جانا کافی ہے، لہٰذا جب صورتِ مذکورہ میں سبب کا وقوع ہو گیا یعنی اتیانِ مولیٰ پایا گیا تو حالف حانث نہ ہوگا، اس مثال کے اندر حتیٰ کا ماقبل یعنی لم آتک جس کا لازمی مفہوم اتیان ہے، امتداد کی صلاحیت نہیں رکھتا، ظاہر ہے کہ آنا ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو بڑھنے اور دراز ہونے والی ہو اور حتیٰ کا مابعد یعنی کھانا کھلانا اور ناشتہ کرانا اس آنے کی انتہاء نہیں بن سکتا کہ کھانا کھلانے کی وجہ سے آنے والا آنا ہی بند کردے بلکہ کھانا کھلانا چونکہ ایک احسان اور حسن اخلاق کی علامت ہے تو کھانے کی وجہ سے لوگ اور زیادہ آئیں گے نہ کہ آنے کی انتہاء ہو جائے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۳) اگر حتیٰ کے ماقبل میں سبب اور مابعد میں جزاء بننے کی بھی صلاحیت نہ ہو اور نہ ہی حتیٰ غایت کے لیے ہو تو اب کلمۂ حتی، "فاء" یا "ثم" کے معنیٰ میں ہو کر عطف محض کے لیے ہوگا۔ مثلاً مولیٰ یہ جملہ بولے "عبدي حر أن لم آتك حتى اتغدى عندك اليوم" (میرا غلام آزاد ہے اگر نہ آؤں میں تیرے پاس اور آج تیرے پاس صبح کا کھانا کھاؤں الخ) تو اس جیسی مثال میں چونکہ حتی کا مابعد جزاء بننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ہی غایت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور غایت بننے کی صلاحیت نہ رکھنا تو ظاہر ہے کہ آنا امتداد کے قابل نہیں اور مابعدِ حتّٰی یعنی تغدیہ غایت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ تغدیہ کی وجہ سے تو کثرتِ آمد و رفت ہوتی ہے نہ یہ کہ آنے کی غایت اور انتہاء ہو جائے، اور جزاء بننے کی صلاحیت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ حالف نے اپنے غلام کی آزادی کو اپنے ہی دو کام پر معلق کیا ہے، یعنی آنا اور کھانے کا تناول کرنا، تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اسی کا کام خود اسی کے کام کی جزاء بن سکے یا مخاطب کا کام خود مخاطب کے کام کی جزاء بن سکے؛ کیونکہ متکلم اور مخاطب کے قبضہ میں صرف آنا ہے، صبح کا کھانا کھلانا تو میزبان کا کام ہے، لہٰذا یہاں حتیٰ عطف کے لیے ہوگا (فاء یا ثم کے معنیٰ میں) اور اپنی قسم میں بَری ہونے کے لیے معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا پایا جانا ضروری ہوگا یعنی آنا اور کھانا تناول کرنا؛ کیونکہ حالف کا مقصد یہ ہے کہ اگر میں تیرے پاس نہ آؤں اور پھر صبح کا کھانا نہ کھاؤں تو میرا غلام آزاد، اور اگر میں تیرے پاس آؤں اور صبح کا کھانا بھی کھاؤں تو پھر غلام آزاد نہیں، لہٰذا قسم سے بَری ہونے کے لیے آنا اور صبح کا کھانا کھانا دونوں ضروری ہوگا یعنی معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا تحقق ضروری ہوگا؛ لہٰذا اگر وہ آیا ہی نہیں، یا آیا تو ضرور مگر کھانا نہیں کھایا تو حانث ہو جائے گا اور اگر آیا اور کھانا بھی کھایا مگر اتنی تاخیر سے کھایا جو "فاء" یا "ثم" کی تاخیر سے زائد ہو تب بھی حانث ہو جائے گا۔

فائدہ: حتی کے حقیقی معنیٰ یعنی غایت کے لیے ہونے اور مجازی معنیٰ یعنی حتی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کا فاء یا ثم کے معنیٰ میں ہو کر عاطفہ ہونے میں مناسبت بایں طور ہے کہ فا اور ثم میں تعقیب ہوتی ہے اور غایت بھی اپنے مغیا کے عقب یعنی بعد میں آتی ہے، نیز جس طرح غایت کا مغیا سے جوڑ اور تعلق ہوتا ہے اسی طرح معطوف کا بھی معطوف علیہ سے جوڑ اور تعلق ہوتا ہے، لہٰذا حقیقی معنیٰ اور مجازی معنیٰ میں مناسبت موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

(۳۰) اُصول الشاشی: ص/۶۲

إِلٰی لِانْتِهَاءِ الْغَايَةِ ثُمَّ هُوَ فِيْ بَعْضِ الصُّوَرِ يُفِيْدُ مَعْنَى اِمْتِدَادِ الْحُكْمِ وَفِيْ بَعْضِ الصُّوَرِ يُفِيْدُ مَعْنَى الْإِسْقَاطِ فَإِنْ أَفَادَ الْإِمْتِدَادَ لَاتَدْخُلُ الْغَايَةُ فِي الْحُكْمِ وَإِنْ أَفَادَ الْإِسْقَاطَ تَدْخُلُ. نَظِيْرُ الْأَوَّلِ اِشْتَرَيْتُ هٰذَا الْمَكَانَ إِلٰى هٰذَا الْحَائِطِ لَاتَدْخُلُ الْحَائِطُ فِي الْبَيْعِ وَنَظِيْرُ الثَّانِي بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ إِلٰى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَقَدْ تُفِيْدُ كَلِمَةُ إِلٰى تَاخِيْرَ الْحُكْمِ إِلَى الْغَايَةِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "إلٰی" کے برائے امتداد، برائے اسقاط، اور برائے تاخیر ہونے کی ایک ایک مثال تحریر کیجیے، نیز دونوں نظیروں کی تشریح کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: إلٰی مسافت کی انتہاء کے لیے آتا ہے (یعنی مغیا کی انتہا کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے) پھر الٰی بعض صورتوں میں امتدادِ حکم کے معنیٰ کا فائدہ دیتا ہے اور بعض صورتوں میں اسقاط کے معنیٰ کا فائدہ دیتا ہے۔ پس اگر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

الیٰ امتداد کا فائدہ دے تو غایت حکمِ مغیا میں داخل نہیں ہوگی اور اگر الیٰ اسقاط کا فائدہ دے تو غایت حکمِ مغیا میں داخل ہوگی۔ پہلے یعنی امتداد کی مثال اِشْتَرَیْتُ ھٰذَا الْمَکَانَ إِلٰی ھٰذَا الْحَائِط ہے۔ کہ میں نے اس مکان کو اس دیوار تک خریدا تو دیوار بیع میں داخل نہیں ہوگی۔

اور دوسرے یعنی اسقاط کی مثال یہ ہے کہ کسی نے تین دن تک خیارِ شرط کے ساتھ کوئی سامان بیچا (اور یوں کہا: بعتک ھذا الشئ بشرط الخیار إلٰی ثلاثۃ ایامٍ) اور کبھی کلمۂ الیٰ حکم کو غایت تک مؤخر کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔

(ج): **تشریح**: کلمۂ الیٰ مسافت کی انتہاء کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ غایت کا ترجمہ مسافت سے اس لیے کیا گیا تا کہ لانتھاء الغایۃ میں اضافۃ الشئ إلٰی نفسہ کا اعتراض لازم نہ آئے، کیونکہ غایت کے معنیٰ بھی انتہاء کے ہیں۔

الحاصل کلمۂ الیٰ مسافت کی انتہاء بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ الیٰ کا ماقبل مغیا اور الیٰ کا مابعد غایت کہلاتا ہے۔ اور غایت، مغیا میں داخل ہے، یا نہیں اس بارے میں چار اقوال ہیں: (۱) غایت مغیا میں مطلقاً داخل ہوگی (۲) غایت مغیا میں مطلقاً داخل نہیں ہوگی (۳) غایت مغیا کی جنس سے ہو تو غایت مغیا میں داخل ہوگی ورنہ نہیں (۴) غایت کا مغیا میں داخل ہونا قرینہ پر موقوف ہے، اگر داخل ہونے پر قرینہ موجود ہو تو غایت مغیا میں داخل ہوگی اور اگر قرینہ موجود نہ ہو تو غایت مغیا میں داخل نہ ہوگی۔

مصنفؒ نے ان اقوال کو بیان نہیں کیا بلکہ کلمۂ الیٰ کی تقسیم کی ہے کہ کلمۂ الیٰ بعض صورتوں میں امتدادِ حکم کے معنیٰ کا فائدہ دیتا ہے اور بعض صورتوں میں اسقاط کے معنیٰ کا فائدہ دیتا ہے۔

امتدادِ حکم: امتدادِ حکم کا مطلب یہ ہے کہ صدرِ کلام اور اولِ کلام غایت کو شامل نہ ہو یا شامل ہونے میں شبہ ہو تو وہاں کلمۂ الیٰ ذکر کیا جاتا ہے تا کہ اس کے ذریعہ حکم کو کھینچ کر غایت تک پہنچایا جاسکے اور خود غایت حکم میں داخل نہ ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

الحاصل اگر کلمۂ الٰی امتدادِ حکم کے معنیٰ کا فائدہ دے تو غایت مغیا میں داخل نہ ہوگی۔

الٰی کے مفیدِ امتداد ہونے کی مثال: ایک آدمی نے کہا: اشتریت هٰذا المکان الٰی هٰذا الحائط میں نے یہ مکان اس دیوار تک خریدا۔ تو دیوار عقدِ بیع میں داخل نہیں ہوگی، اس لیے کہ لفظِ مکان اقل و اکثر سب پر بولا جاتا ہے، لہٰذا کلمۂ الٰی حکمِ بیع کو کھینچ کر حائط تک پہنچائے گا یعنی اس مثال میں کلمۂ الٰی امتدادِ حکم کے لیے ہوگا اور امتدادِ حکم کا فائدہ دینے کی صورت میں چونکہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی ہے، اس لیے اس مثال میں غایت یعنی دیوار، مغیا یعنی شراء کے تحت داخل نہیں ہوگی۔

اسقاطِ حکم: اسقاط کا مطلب یہ ہے کہ صدرِ کلام اور اولِ کلام غایت اور ماوراءِ غایت دونوں کو شامل ہو ایسی صورت میں کلمۂ الٰی کو اس لیے ذکر کیا جاتا ہے، تا کہ حکم کو ماوراءِ غایت سے خارج اور ساقط کیا جاسکے۔

الحاصل اگر کلمۂ الٰی اسقاط کے معنیٰ کا فائدہ دے تو غایت مغیا میں داخل ہوگی۔

الٰی کے اسقاط کے معنیٰ کا فائدہ دینے کی مثال: یہ ہے کہ ایک آدمی نے کہا: بعتُ بشرط الخیار الٰی ثلاثة ایام. میں نے تین دن تک شرطِ خیار کے ساتھ فروخت کیا۔ تو یہ تینوں دن خیار میں داخل ہوں گے یعنی غایت مغیا میں داخل ہوگی، اس لیے کہ یہاں غایت اسقاط کے لیے ہے اس طور پر کہ اگر خیار کی شرط مطلق ہوتی تو پھر وہ مؤبد ہوتی ہے اور عقد فاسد ہوجاتا، لیکن جب غایت یعنی الٰی ثلاثة ایام کو ذکر کردیا گیا تو یہ اس کے ماوراء کو ساقط کرنے اور نکالنے کے لیے ہوگی اور خود غایت یعنی الٰی ثلاثة ایام مغیا یعنی خیار میں داخل ہوگی۔ کما ذکر من قبل.

تاخیرِ حکم: اور کبھی الٰی تاخیرِ حکم کا فائدہ دیتا ہے یعنی حکم کو غایت تک مؤخر کردینے کا جبکہ الٰی کا دخول زمانہ پر ہو اور تاخیرِ حکم کا مطلب یہ ہوگا کہ حکم کا وقوع دخولِ الٰی یعنی غایت کے گزرنے کے بعد ہوگا جیسے قائل کا قول أنتِ طالق الٰی شهرٍ کہ اگر شوہر کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

نیت فی الحال طلاق دینے کی نہ ہو تو ہمارے نزدیک وقوعِ طلاق کا حکم ایک مہینہ تک مؤخر ہوگا یعنی طلاق ایک ماہ بعد واقع ہوگی فی الحال واقع نہیں ہوگی اور اگر شوہر کی نیت فی الحال طلاق دینے کی ہو تو فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی۔

چونکہ حروفِ معانی گیارہ ہیں جن میں سے تین (فاء، ثم، الیٰ) کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاچکا ہے، طلبہ عزیز کے فائدے کے پیشِ نظر بقیہ کو مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) واؤ: یہ اپنے ماقبل اور مابعد کو جمع کرنے کے لیے آتا ہے نہ کہ ترتیب کے لیے۔ جیسے: یوں کہا کہ "جاء ني زيد وعمرو وخالد" میرے پاس زید، عمرو اور خالد آئے تو مراد ان سب کے آنے کو بیان کرنا ہے نہ کہ تقدیمِ زید اور تاخیرِ خالد کو بتلانا۔

اور کبھی واؤ حال کے لیے آتا ہے اور اس صورت میں حال وذوالحال کے اندر جمعیت پیدا کرتا ہے اور معنیٔ شرط کا فائدہ دیتا ہے مثلاً کسی نے اپنے غلام سے یوں کہا کہ مجھے ایک ہزار روپئے ادا کردے تو آزاد ہے تو آزادی کے لیے ایک ہزار کی ادائیگی شرط بن جائے گی۔

(۲) بل: لفظِ بل غلط بات کے تدارک کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی کلامِ ثانی کو کلامِ اول کی جگہ رکھ دیتے ہیں جس سے کبھی کلامِ اوّل کا ابطال مقصود ہوتا ہے اور کبھی کلامِ اوّل کی غرض کو باطل کر کے غرضِ ثانی کی طرف انتقال ہوتا ہے۔

(۳) لٰکنّ: لٰکنّ جب نفی والے جملہ میں آئے تو استدراک کا فائدہ دیتا ہے۔ استدراک کہتے ہیں سابق کلام کے دفعِ توہم کو، لٰکنّ کے ذریعے عطف کرنے کی شرط یہ ہے کہ ماقبل اور مابعد کے کلام میں ربط ہو ورنہ لٰکنّ مستانفہ ہو جائے گا نیز استدراک کے لیے بھی نہ رہے گا۔

(۴) اَوْ: اَوْ دو کلموں کے درمیان واقع ہوتا ہے اور دو کلموں میں سے ایک کے لیے حکم کے شامل ہونے کا فائدہ دیتا ہے یعنی معطوف علیہ اور معطوف میں سے ایک کے ساتھ لا علی التعیین حکم متعلق ہوتا ہے اور تکلم کے بعد ایک کو متعین کرنے کا اختیار متکلم کو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

رہتا ہے اور کبھی لفظ اَوْ حتیٰ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۵) حتیٰ: لفظ حتیٰ، الیٰ کی طرح غایت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، نیز ثم کی طرح ترتیب وتاخیر کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ مگر ثم اور حتیٰ میں تین طرح کا فرق ہے: (۱) حتیٰ میں ثم کی بہ نسبت مہلت کم ہوتی ہے (۲) حتیٰ کا معطوف، معطوف علیہ کی خبر ہوتا ہے۔ (۳) حتیٰ میں ترتیب ذہنی بھی کافی ہے ترتیب خارجی ضروری نہیں اور ثم میں ترتیب خارجی ضروری ہے۔

(۶) علیٰ: کلمۂ علیٰ اصل کے اعتبار سے اپنے اندر بلندی کے معنیٰ رکھتا ہے وہ بلندی خواہ حقیقی ہو یا مجازی۔ اور علیٰ کا استعمال لازم کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی علیٰ مجازاً باء کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے نیز کبھی شرط کے لیے بھی آتا ہے۔

(۷) فی: لفظِ فی ظرف کے لیے آتا ہے اور یہ زمان، مکان اور فعل میں استعمال ہوتا ہے اور جب فی کو فعل (معنیٰ مصدری) پر داخل کر کے استعمال کیا جائے تو معنیٰ شرط کا فائدہ دیتا ہے۔

(۸) باء: حرفِ باء بہت سے معانی کے لیے آتا ہے۔ استعانت، سببیت، بدلیت، زیادت، الصاق، مصاحبت، ظرفیت وغیرہ۔ ہم یہاں صرف الصاق کو بتانا چاہتے ہیں۔ الصاق بمعنیٰ ملانا یعنی ایک شی کا دوسری شی کے ساتھ تعلق اور جوڑ پیدا کرنا۔

نوٹ: آٹھ حروفِ معانی یہ ہوئے اور باقی تین کا ماقبل میں ذکر ہو چکا ہے۔

(۳۱) اُصول الشاشی: ص/۶۸

وَاَمَّا بَيَانُ التَّغْيِيرِ فَهُوَ أَنْ يَّتَغَيَّرَ بِبَيَانِهِ مَعْنٰى كَلَامِهِ وَنَظِيْرُهُ التَّعْلِيْقُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ وَقَدْ اِخْتَلَفَ الْفُقَهَاءُ فِي الْفَصْلَيْنِ فَقَالَ اَصْحَابُنَا الْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ سَبَبٌ عِنْدَ وُجُوْدِ الشَّرْطِ لَا قَبْلَهُ، وَقَالَ الشَّافِعِي التَّعْلِيْقُ سَبَبٌ فِي الْحَالِ إِلَّا أَنَّ عَدَمَ الشَّرْطِ مَانِعٌ مِنَ الْحُكْمِ۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے تعلیق واستثناء میں فریقین کا اختلاف تحریر کیجیے۔

(د): ثمرۂ اختلاف کو مثال سے واضح کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور بہر حال بیانِ تغیر تو وہ یہ ہے کہ متکلم اپنے بیان کے ذریعے اپنے کلام کے معنیٰ کو بدل دے اور اس کی نظیر تعلیق واستثناء ہے اور فقہاء کرام نے دونوں مسئلوں یعنی تعلیق واستثناء میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ ہمارے اصحاب احنافؒ نے فرمایا کہ معلق بالشرط وجودِ شرط کے وقت سبب ہے نہ کہ وجودِ شرط سے پہلے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تعلیق یعنی معلق بالشرط مثلاً (أنتِ طالقٌ إن دخلت الدار) فی الحال سبب ہے مگر شرط کا معدوم ہونا حکم سے مانع ہے۔

(ج): **تشریح**: بیان تغیر وہ بیان ہے جس کے ذریعے متکلم اپنے کلام کے ظاہری معنیٰ کو بدل دے مثلاً لفظ کے حقیقی معنیٰ اس لفظ کے ظاہری معنیٰ ہیں، لیکن متکلم نے اس ظاہری معنیٰ کو مراد نہ لے کر مجازی معنیٰ مراد لیے تو یہ مجازی معنیٰ کا مراد لینا بیان تغیر ہوگا۔ یا مثلاً ایک لفظ اپنے معنیٰ میں عام ہے لیکن متکلم اس کے عموم کو مراد نہیں لیتا ہے، بلکہ خصوص کو مراد لیتا ہے، تو خصوص کو مراد لینا بیانِ تغیر ہوگا۔ بیانِ تغیر کی نظیر تعلیق واستثناء ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے غلام سے کہا: أنت حر إن دخلت الدار. تو اس کلام میں انت حر کا تقاضہ یہ ہے کہ غلام فوراً آزاد ہو جائے، لیکن جب شرط إن دخلت الدار ذکر کیا تو فوراً آزاد نہیں ہوگا، بلکہ وجود شرط کے زمانہ تک اس کی آزادی مؤخر ہو جائے گی۔

پس إن دخلت الدار، أنت حر کے لیے بیانِ تغیر ہوگا (یہ مثال تعلیق کی تھی) اسی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

طرح اگر کسی نے "لفلانٍ عليّ الف الا مائة" کہا تو "لفلانٍ عليّ الف" کا تقاضا تو یہ ہے کہ اقرار کرنے والے پر پورے ایک ہزار واجب ہوں، لیکن جب إلّا مائة کہا تو اس نے پورے ایک ہزار کے معنی کو بدل ڈالا، چنانچہ إلّا مائة کے بعد ایک ہزار واجب نہ ہوں گے، بلکہ نوسو واجب ہوں گے، پس "إلّا مائة" بیانِ تغییر ہوگا۔ (یہ مثال استثناء کی ہے)۔

مصنفؒ نے فرمایا کہ فقہائے کرام نے تعلیق واستثناء دونوں صورتوں میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ علمائے احنافؒ فرماتے ہیں کہ معلق بالشرط یعنی وہ چیز جس کو کسی شرط پر معلق کیا گیا ہے جیسے مثال مذکور أنت حر إن دخلت الدار میں آزادی کو ایک شرط یعنی دخولِ دار کے ساتھ معلق کیا گیا ہے تو معلق بالشرط یعنی (أنت حر) وجودِ شرط کے وقت سبب ہوگا یعنی شرط دخولِ دار کے پائے جانے کے وقت وقوعِ حریت کو واجب کرنے والا ہوگا۔ وجودِ شرط سے پہلے تو ایسا ہے گویا متکلم نے أنت حر کا تکلم کیا ہی نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ معلق بالشرط فی الحال یعنی تکلم کے وقت ہی سبب ہے اور وقوعِ حریت کو واجب کرنے والا ہوگا، لیکن شرط کا معدوم ہونا، حکم یعنی وقوعِ حریت کے لیے مانع ہوگا، جوں ہی شرط دخولِ دار پائی جائے گی حکم مرتب ہو جائے گا۔

(د): امام شافعیؒ اور احنافؒ کے درمیان اختلاف کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب کسی آدمی نے کسی اجنبیہ سے کہا: إن تزوجتک فأنت طالق اس صورت میں ہمارے نزدیک تو تعلیق باطل نہ ہوگی، البتہ امام شافعی کے نزدیک تعلیق باطل ہو جائے گی یعنی ہمارے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک وجودِ شرط کے باوجود طلاق واقع نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تعلیق کا حکم، صدرِ کلام یعنی جزاء کا علت ہونا ہے خواہ وہ شرط سے پہلے مذکور ہو جیسے: أنت طالق إن دخلت الدار میں أنت طالق شرط سے پہلے مذکور ہے۔ خواہ شرط سے مؤخر ہو جیسے: إن دخلت الدار فأنت طالق میں أنت طالق شرط سے مؤخر ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

الحاصل تعلیق کا حکم یہ ہے کہ صدرِ کلام یعنی جزاء فی الحال علت ہو، لیکن مذکورہ مثال إن تزوجتک فأنت طالق کے تکلم کے وقت عورت محلِ طلاق نہیں ہے، چنانچہ طلاق کے محل کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے وہ علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور جب یہ علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو تعلیق کا حکم یعنی صدرِ کلام کا علت بننا باطل ہو گیا اور تعلیق بھی صحیح نہیں ہے، لہٰذا نکاح کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ مثال میں تعلیق صحیح ہے اور تعلیق اس لیے صحیح ہے کہ ہمارے نزدیک صدرِ کلام یعنی جزاء، تکلم کے وقت علت نہیں بنتی ہے، بلکہ وجودِ شرط کے وقت علت بنتی ہے اور وجودِ شرط یعنی نکاح کے وقت عورت محل طلاق ہے اور جب ایسا ہے تو طلاق اپنے محل کی طرف منسوب ہے اور جب طلاق اپنے محل کی طرف منسوب ہے تو تعلیق کا حکم باطل نہ ہوگا اور تعلیق صحیح ہوگی، لہٰذا نکاح کرتے ہی عورت مطلقہ ہو جائے گی، کیونکہ شوہر کا کلام وجودِ شرط کے وقت علت بنا ہے نہ کہ وجودِ شرط سے پہلے اور وجودِ شرط کے وقت تزوج ثابت ہے، لہٰذا تعلیق صحیح ہو کر عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

(۳۲) اُصول الشاشی: ص/۷۱

وَأَمَّا بَيَانُ الضَّرُورَةِ فَمِثَالُهُ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى ”وَوَرِثَهٗ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ“ أَوْجَبَ الشَّرِكَةَ بَيْنَ الْأَبَوَيْنِ ثُمَّ بَيَّنَ نَصِيْبَ الْأُمِّ فَصَارَ ذٰلِكَ بَيَانًا لِنَصِيْبِ الْأَبِ وَعَلٰى هٰذَا قُلْنَا لَوْ بَيَّنَا نَصِيْبَ رَبِّ الْمَالِ وَسَكَتَا عَنْ نَصِيْبِ الْمُضَارِبِ كَانَ بَيَانًا وَعَلٰى هٰذَا حُكْمُ الْمُزَارَعَةِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): بیانِ ضرورت کی تعریف کریں اور مطلب لکھیں۔ مصنفؒ کے قول

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اَوْجَبَ الشَّرِكَةَ سے اشارہ کس طرف ہے اور اس قید کا کیا فائدہ ہے؟

(د): بیانِ ضرورت کو مدنظر رکھ کر وعلیٰ هٰذا حكم المزارعة کی وضاحت کریں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور بہرحال بیانِ ضرورت تو اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے قول وَوَرِثَهُ اَبَوَاهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میت کے مال میں والدین کے درمیان شرکت کو ثابت کیا پھر ماں کا حصہ بیان کیا تو یہ باپ کے حصہ کا بھی بیان ہو گیا۔ اور اسی قیاس پر ہم نے کہا کہ جب مضارب اور رب المال نے رب المال کا حصہ بیان کر دیا اور مضارب کے حصہ سے خاموش رہے تو یہ بیان ہوگا۔ اور اسی پر (یعنی مضاربت کے حکم پر) مزارعت کا حکم بھی ہے۔

(ج): **بیانِ ضرورت**: وہ بیان کہلاتا ہے جو متکلم کے کلام سے اقتضاءً مفہوم ہو اور متکلم کے کلام میں اس بیان کے لیے کوئی لفظ موجود نہ ہو۔ مثلاً باری تعالیٰ نے آیت "وَوَرِثَهُ اَبَوَاهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ" میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ورثاء میں صرف والدین زندہ ہوں تو دونوں وارث ہوں گے، پھر ماں کا حصہ بیان کیا کہ اس کو تہائی ملے گا۔

ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شروع کلام وَوَرِثَهُ اَبَوَاهُ میں مرنے والے کی میراث میں ماں اور باپ دونوں کی شرکت کو ثابت کر دیا۔ پھر فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ کہہ کر خاص طور پر ماں کا حصہ بیان کیا ہے اور باپ کا حصہ بیان نہیں کیا، لیکن ماں کے حصہ کے بیان سے اقتضاءً ثابت ہو گیا کہ ایک تہائی کے بعد بقیہ یعنی دو تہائی کا باپ مستحق ہوگا، پس ماں کے حصہ کا بیان باپ کے حصہ کے لیے بیانِ ضرورت ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ وَلِاَبِيهِ الباقي أي الثلثان.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

وعلٰی ھٰذا قلنا الخ: مصنفؒ بیانِ ضرورت کی ایک اور مثال پیش کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے آپ یہ سمجھ لیں کہ شریعت میں عقدِ مضاربت کہا جاتا ہے کہ ایک شخص کا مال ہو اور ایک کی محنت اور کام دھام ہو۔ صاحب مال کو رب المال کہتے ہیں اور محنت کر کے تجارت و نفع کمانے والے کو مضارب کہا جاتا ہے۔ مضاربت کے صحیح ہونے کے لیے نفع میں دونوں کا شریک ہونا ضروری ہے اور عقد مضاربت کے وقت دونوں کے نفع کی مقدار کا متعین اور معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ پس اگر رب المال اور مضارب نے عقد مضاربت کے وقت رب المال کا حصہ بیان کر دیا مثلاً یہ کہہ دیا کہ وہ آدھے نفع کا مالک ہے اور مضارب کا حصہ بیان نہیں کیا تو شرکت صحیح ہو جائے گی اور مضارب باقی آدھے نفع کا مالک ہوگا اور شرکت کے صحیح ہونے کی وجہ سے عقد مضاربت صحیح ہو جائے گی۔

چنانچہ رب المال کے حصہ کا متعین ہو جانا مضارب کے حصہ کا بیان ہوگا، اسی طرح اس کے برعکس کو بھی سمجھ لیں۔ جبکہ مضارب کا حصہ بیان کر دیا جائے، مگر رب المال کا حصہ متعین نہ کیا جائے تب بھی شرکت صحیح ہے، کیونکہ مضارب کا حصہ متعین کرنے سے رب المال کا حصہ خود بخود متعین ہو جائے گا۔

(د): **وعلٰی ھٰذا حکم المزارعۃ:** مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اسی اصل پر مزارعت کے حکم کو قیاس کیا جائے گا، مزارعت یہ ہے کہ ایک آدمی کی زمین ہو اور دوسرے آدمی کی محنت ہو اور پیداوار میں دونوں شریک ہوں۔ مزارعت کے صحیح ہونے کے لیے عقد کے وقت دونوں کے حصہ کا متعین اور معلوم ہونا ضروری ہے، پس اگر دونوں نے باہمی رضامندی سے ایک کا حصہ بیان کر دیا، مثلاً یوں کہا کہ زمین کے مالک کا پیداوار میں سے دو تہائی ہوگا اور کاشتکار (کھیتی کرنے والے) کا حصہ بیان نہیں کیا تو بھی مزارعت صحیح ہو جائے گی، کیونکہ زمین مالک کے حصہ کا بیان کاشتکار کے حصہ کے لیے بیان ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۳۴۳) أصول الشاشي: ص/۷۱

وَلَوْطَلَّقَ إِحْدٰى اِمْرَأَتَيْهِ ثُمَّ وَطِئَ إِحْدٰهُمَا كَانَ ذٰلِكَ بَيَانًا لِلطَّلَاقِ فِي الْأُخْرٰى بِخِلَافِ الْوَطْيِ فِي الْعِتْقِ الْمُبْهَمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ لِأَنَّ حَلَّ الْوَطْيِ فِي الْإِمَاءِ يَثْبُتُ بِطَرِيْقَيْنِ فَلَايَتَعَيَّنُ جِهَةُ الْمِلْكِ بِاِعْتِبَارِ حَلِّ الْوَطْيِ.

(الف): اعراب لگایئے۔ (ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): بیان کی اقسام تحریر کریں، اور عبارت کا مطلب لکھتے ہوئے بتائیں کہ مذکورہ مسئلہ بیان کی کس قسم سے متعلق ہے؟

(د): بخلاف الوطی في العتق المبهم الخ سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں؟ بوضاحت لکھیں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اگر کسی آدمی نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو (بلا تعیین) طلاق دی پھر ان دونوں میں سے ایک سے وطی کرلی تو یہ وطی کرنا دوسری عورت کے حق میں طلاق کا بیان ہوگا برخلاف اس وطی کے جو عتق مبہم میں ہو امام صاحبؒ کے نزدیک، اس لیے کہ باندیوں میں وطی کا حلال ہونا دو طریقوں (ملک ونکاح) سے ثابت ہوتا ہے، پس وطی کے حلال ہونے کے اعتبار سے ملک کی جہت متعین نہ ہوگی۔

(ج): **تشریح**: بیان کے معنی ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے کے ہیں اور مراد بیان سے وہ ہے جس سے مقصود ظاہر کیا جائے۔ بیان کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

بیان کی سات قسمیں ہیں: (۱) بیانِ تقریر (۲) بیانِ تفسیر (۳) بیانِ تغییر (۴) بیانِ ضرورت (۵) بیانِ حال (۶) بیانِ عطف (۷) بیانِ تبدیل۔ یہ مسئلہ بیانِ ضرورت سے متعلق ہے۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو بلا تعیین طلاق دے دی، پھر ان میں سے ایک سے وطی کر لی تو یہ وطی کرنا اس بات کا بیان ہوگا کہ طلاق دوسری کو دی گئی ہے، کیونکہ موطوءۃ محلِ طلاق نہیں ہوتی یعنی طلاق کے بعد ایک سے وطی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ موطوءۃ کو طلاق نہیں دی گئی ہے، بلکہ دوسری کو طلاق دی گئی ہے۔

کیونکہ یہ بات مسلمان کی شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ ایک عورت کو طلاق دے کر پھر اسی سے زنا کرے اور یہ بھی مشکل ہے کہ اس نے اس مطلقہ بائنہ سے فوراً نکاحِ جدید کر لیا ہو اور یہ اس لیے مشکل ہے کہ اگر اس کو نکاح کرنا ہی تھا تو پھر طلاق ہی کیوں دیتا، لہٰذا طلاق دینا عدمِ رغبت پر دلالت کرتا ہے اور رغبت کا نہ ہونا نکاح کے توڑنے پر دال ہے۔

الحاصل دو عورتوں میں سے ایک سے وطی کرنا دوسری عورت کے مطلقہ ہونے کے لیے بیانِ ضرورت ہے۔

(د): بخلاف الوطی فی العتق المبہم الخ: برخلاف عتقِ مبہم کے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک عتقِ مبہم کی صورت میں ایک سے وطی کرنا، دوسری کی آزادی کو مستلزم نہیں ہوگا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کی دو باندیاں ہوں اور مولیٰ بغیر تعیین کے ان دونوں میں سے کسی ایک کو آزاد کر دے اور آزاد کرنے کے بعد ان میں سے کسی ایک سے وطی کر لے تو یہ وطی کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آزاد کردہ باندی وہ ہے جس سے مولیٰ نے وطی نہیں کی، بلکہ یہ بات ممکن ہے کہ مولیٰ نے اس باندی کو آزاد کر کے اسی سے نکاح کر لیا ہو اور پھر اپنی منکوحہ ہونے کی جہت سے وطی کی ہو، کیونکہ باندیوں میں دو جہتیں ہوتی ہیں: ایک مملوکہ ہونے کی جہت اور ایک منکوحہ ہونے کی جہت؛ لہٰذا ایک باندی سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

وطی کا حلال ہونا دوسری باندی کے آزاد ہونے پر بیان ضرورت نہ ہوگا یعنی وطی کے حلال ہونے سے اس میں ملکیت کی جہت اور دوسری کے حق میں آزادی کی جہت متعین نہ ہوگی؛ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک دو باندیوں میں سے ایک کو مبہم اور غیر متعین طریقہ پر آزاد کرنے کی صورت میں ان میں سے ایک کے ساتھ وطی کرنا دوسری کے آزاد ہونے کے لیے بیان ہوگا اور دوسری باندی آزاد ہو جائے گی۔

(۳۴) اُصول الشاشی: ص/۴۳

وَأَمَّا بَيَانُ التَّبْدِيْلِ وَهُوَ النَّسْخُ فَيَجُوْزُ ذٰلِکَ مِنْ صَاحِبِ الشَّرْعِ وَلَايَجُوْزُ ذٰلِکَ مِنَ الْعِبَادِ وَعَلٰى هٰذَا بَطَلَ اِسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ عَنِ الْكُلِّ لِأَنَّهٗ نَسْخُ الْحُكْمِ وَلَايَجُوْزُ الرُّجُوْعُ عَنِ الْإِقْرَارِ وَالطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ لِأَنَّهٗ نَسْخٌ وَلَيْسَ لِلْعَبْدِ ذٰلِکَ.

(الف): اعراب لگائیے۔ (ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): پھر بیان تبدیل اور نسخ کی اصطلاحی تعریف کرنے کے بعد بتائیں کہ نسخ بندوں کی طرف سے کیوں جائز نہیں ہوتا؟

(د): پھر اس اصل پر متفرع مذکورہ مسئلوں کی مع امثلہ تشریح کریں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور بہر حال بیانِ تبدیل اور وہ نسخ ہے تو وہ صاحبِ شریعت کی طرف سے تو جائز ہے مگر بندوں کی طرف سے جائز نہیں ہے۔ اور اسی بناء پر کُل کا کُل سے استثناء کرنا باطل ہے، اس لیے کہ وہ حکم کو منسوخ کرنا ہے۔ اور اقرار، طلاق اور عتاق سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ وہ نسخ ہے اور بندے کے لیے نسخ جائز نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ج): **تشریح**: بیان کی ایک قسم بیانِ تبدیل ہے، سب سے پہلے آپ کو یہ جاننا ہوگا کہ بیانِ تبدیل بیان کے قبیل سے ہے یا نہیں؟ جمہور علماء اس کو بیان کے قبیل سے نہیں مانتے، کیونکہ بیانِ تبدیل جس کو نسخ بھی کہا جاتا حکمِ سابق کو ختم کر دینے کا نام ہے اور بیان اس کو کہا جاتا ہے، جو حکم کو ظاہر کرتا ہو نہ کہ اس کو جو حکم کو ختم کرتا ہو، لیکن علامہ فخر الاسلام اور ان کے متبعین بیانِ تبدیل کو بیان کے قبیل سے قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک نسخ حکمِ سابق کو ختم کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ سابق حکم کی میعاد اور آخری مدت کو بیان کرنے کا نام ہے، مثلاً شراب ابتدائے اسلام میں حلال تھی، لوگوں کا خیال تھا کہ یہ اباحت قیامت تک باقی رہے گی، لیکن جب تحریم آگئی تو یہ شارع کی جانب سے اس بات کا بیان ہوا کہ شراب کے حلال ہونے کی مدت اسی وقت تک تھی اب وہ مدت ختم ہوگئی ہے۔

چونکہ مصنفؒ علامہ فخر الاسلام کی اتباع کرتے ہیں، اس لیے انہوں نے بھی بیان تبدیل کو بیان کے قبیل سے شمار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیانِ تبدیل نسخ کا نام ہے اور نسخ صاحبِ شریعت کی جانب سے تو جائز ہے، لیکن بندوں کی جانب سے جائز نہیں، کیونکہ بندہ جب تصرف کرتا ہے، مثلاً کسی چیز کا اقرار یا طلاق وعتاق وغیرہ تو وہ شریعت کی نظر میں صحیح مانا جاتا ہے، لہٰذا جب کوئی چیز شرعاً صحیح اور ثابت ہوگئی تو پھر بندے کے لئے اس کا منسوخ کرنا اور بدلنا صحیح نہ ہوگا، البتہ نسخ کے علاوہ تمام بیانات بندوں کی طرف سے درست ہیں۔

رہی یہ بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں نسخ موجود ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام وحی الٰہی ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں نسخ کا جاری ہونا اللہ ہی کی جانب سے ہے نہ کہ رسول کی جانب سے۔ فاندفع الاعتراض.

(د): وعلى هذا أي على أن النسخ لايجوز من العباد الخ چونکہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

بندوں کی طرف سے نسخ جائز نہیں، لہٰذا مصنفؒ نے فرمایا کہ کُل کا کُل سے استثناء کرنا جو حکم کو منسوخ کرنے کے درجہ میں ہے، بندوں کے لیے جائز نہیں ہے، جیسے کوئی شخص کہے لفلانٍ عليّ عشرة الّا عشرة. کہ فلاں کے میرے ذمہ دس روپیے ہیں، مگر دس روپیہ تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کہے نسائی طوالق الّا نسائی. ''میری سب بیویوں کو طلاق مگر سب کو'' یہ بھی درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مولیٰ کہے عبدي حرٌّ إلّا عبدي تو یہ تمام صورتیں درست نہیں ہیں۔

الغرض! کُل کا استثناء کُل سے جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے حکم کو منسوخ کرنا اور اقرار سے رجوع کرنا لازم آتا ہے، حالانکہ مصنفؒ نے فرمایا ''وَلَايَجُوزُ الرُّجُوْعُ عَنِ الْإِقْرَارِ'' کہ اقرار کے بعد اس سے رجوع کرنا اور طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع کرنا اور غلام آزاد کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ حکم کو منسوخ کرنا ہے، جس کا حق بندوں کو نہیں ہے، بلکہ اس کا اختیار صرف اور صرف اللہ رب العزت کو ہے۔

فائدہ: بیانِ تبدیل کو نسخ بھی کہا جاتا ہے اور نسخ کے لغوی معنیٰ زائل کرنے کے ہیں اور منتقل کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

تبدیل اور نسخ دونوں قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) تبدیل: جیسے: وَإِذَابَدَّلْنَا اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ.

(۲) نسخ: جیسے: مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ أَوْنُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْمِثْلِهَا.

(۳۵) اُصول الشاشی: ص/۷۴

وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى صَارَ الْخَبَرُ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ: قِسْمٌ صَحَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَبَتَ مِنْهُ بِلَاشُبْهَةٍ وَهُوَ الْمُتَوَاتِرُ وَقِسْمٌ فِيْهِ ضَرْبُ شُبْهَةٍ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ وَقِسْمٌ فِيْهِ اِحْتِمَالٌ وَشُبْهَةٌ وَهُوَ الْآحَادُ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "ولھٰذا المعنٰی" کی مراد متعین کریں، نیز خبر کی تینوں اقسام کی تعریف کریں اور بتائیں کہ ان قسموں سے کس طرح کا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اسی معنیٰ یعنی شبہ فی الاتصال کی وجہ سے خبر تین قسم پر ہوگئی۔ ایک قسم وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بطورِ صحت کے پہنچے اور وہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر کسی شبہ کے ثابت ہو اور وہ خبر متواتر ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے جس میں ایک گونہ شبہ ہو اور وہ خبر مشہور ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے جس میں احتمال اور شبہ ہو (کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو) اور وہ اخبار آحاد ہے۔

(ج): **تشریح**: یہاں سے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے۔

حدیث کی تعریف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر کو (تقریر کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا گیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا ہو) کو سنت اور حدیث کہتے ہیں۔ کبھی صحابی کے قول و فعل پر بھی سنت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

نوٹ: جمہور محدثین کی اصطلاح میں سنت، حدیث اور خبر تینوں مترادف الفاظ ہیں۔ علم یعنی اعتقاد و یقین کرنے اور عمل کرنے میں خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کے مرتبہ میں ہے یعنی جس طرح کتاب اللہ کے حق ہونے پر اعتقاد رکھنا واجب ہے، اسی طرح خبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق ہونے پر اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا بھی واجب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ہے۔دلیل "مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا". (الآیۃ) ہے۔

الحاصل! جس طرح کتاب اللہ حجتِ شرعی ہے اسی طرح خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی حجت ہے۔اب ایک اعتراض ہوتا ہے کہ جب خبر رسول، کتاب اللہ کے مرتبہ میں ہے تو ہر خبر کو متواتر اور قطعی ہونا چاہیے اور جب ہر خبر، متواتر و قطعی ہوگی تو خبر کو تین قسموں پر منقسم کرنا کیسے درست ہوگا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفس خبر میں تو شبہ نہیں ہوتا وہ بلا شبہ حجتِ قطعیہ ہے، لیکن خبر میں دو جگہ شبہ ہوتا ہے: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ثابت ہونے میں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو کس درجہ میں ثابت ہے؟ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خبر کے متصل ہونے میں شبہ ہوتا ہے کہ آیا وہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اتصال کے ساتھ پہنچ رہی ہے یا درمیان میں انقطاع ہے۔

ولهٰذا المعنى الخ: مصنفؒ نے فرمایا کہ اسی وجہ سے یعنی اتصال میں شبہ کی وجہ سے خبر کی تین قسمیں ہوگئیں: (۱) متواتر (۲) مشہور (۳) آحاد۔

(۱) المتواتر: مانقله جماعة عن جماعة لايتصور توافقهم على الكذب لكثرتهم واتصل بك هكذا. مثاله: نقل القرآن واعداد الركعات ومقادير الزكوة.

یعنی خبر متواتر وہ حدیث ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر ناقل کے زمانہ تک ایک ایسی جماعت روایت کرنے والی ہو جس کا کثرت کی وجہ سے جھوٹ پر اتفاق کرنا محال ہو، جیسے قرآن کریم کا نقل کیا جانا اعدادِ رکعات وغیرہ۔

(۲) المشهور: ماكان اوّله كالآحاد ثم اشتهر في العصر الثاني والثالث وتلقته الأمة بالقبول فصار كالمتواتر حتى اتصل بك وذلك مثل حديث المسح على الخف والرجم في باب الزناء.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

یعنی خبر مشہور وہ حدیث ہے جو قرنِ اوّل (قرنِ صحابہ) میں مثل خبر واحد کے ہو، پھر دوسرے اور تیسرے (تابعین و تبع تابعین کے) زمانہ میں شہرت ہوگئی ہو اور خبر متواتر کے مثل ہوگئی ہو۔ جیسے: خفین پر مسح کرنے کی حدیث۔

(۳) خبر الواحد: هو مانقله واحد عن واحدٍ أوواحد عن جماعة أوجماعة عن واحد ولاعبرة للعدد إذا لم تبلغ حدَّ المشهور.

خبر واحد وہ حدیث ہے جس کا روایت کرنے والا تینوں زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانے میں ایک ہو اور وہ خبر مشہور کی حد کو نہ پہنچی ہو۔

اخبار کے احکام:

خبر متواتر کا حکم: اس سے علمِ قطعی ثابت ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

خبر مشہور کا حکم: اس سے علمِ طمانینت پیدا ہوتا ہے یعنی شبہ کی اگرچہ کسی قدر گنجائش ہوتی ہے، مگر تسکینِ نفس کے لیے کافی ہے۔ اس لیے خبر مشہور کا منکر بدعتی اور فاسق ہے۔

خبر واحد کا حکم: اس سے علمِ قطعی اور علمِ طمانینت اگرچہ حاصل نہیں ہوتا، مگر احکامِ شرعیہ میں اس کے موجب پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے۔

نوٹ: عمل کے معاملہ میں خبر متواتر اور خبر مشہور دونوں برابر ہیں۔

(۳۶) اُصول الشاشی: ص/۷۶

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَكْثُرُ لَكُمُ الْأَحَادِيْثُ بَعْدِيْ فَإِذَا رُوِيَ لَكُمْ عَنِّيْ حَدِيْثٌ فَاعْرِضُوْهُ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ فَمَاوَافَقَ فَاقْبَلُوْهُ وَمَاخَالَفَ فَرُدُّوْهُ..... وَنَظِيْرُ الْعَرْضِ عَلَى الْكِتَابِ فِيْ حَدِيْثِ مَسِّ الذَّكَرِ فِيْمَا يُرْوَى عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ" فَعَرَضْنَاهُ عَلَى

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

الْكِتَابِ. فَخَرَجَ مُخَالِفًا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا" فَإِنَّهُمْ كَانُوْا يَسْتَنْجُوْنَ بِالْأَحْجَارِ ثُمَّ يَغْسِلُوْنَ بِالْمَاءِ وَلَوْ كَانَ مَسُّ الذَّكَرِ حَدَثًا لَكَانَ هٰذَا تَنْجِيْسًا لَاتَطْهِيْرًا عَلَى الْإِطْلَاقِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): مطلب لکھتے ہوئے "عرض خبرالواحد علی الکتاب" کا اُصول مثال کے ذریعہ واضح کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ حدیث کے ہوتے ہوئے بھی مسِ ذکر کو ناقضِ وضو کیوں قرار نہیں دیا جاتا؟

جواب

(الف): عبارت بااعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے لیے احادیث کثیر ہو جائیں گی پس جب تمہارے سامنے میری جانب سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو تم اس حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرو پس جو حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو اس کو قبول کرلو اور جو مخالف ہو اس کو رَد کردو.....اور خبر واحد کے کتاب اللہ پر پیش کرنے کی نظیر مسِ ذکر والی حدیث میں ہے یعنی اس حدیث میں جو نبی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اپنا ذکر چھوئے تو چاہیے کہ وہ وضو کرے۔

پس ہم نے اس حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے قول "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا" (مسجد قباء میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں) کے مخالف نکلی اس لیے کہ یہ لوگ ڈھیلوں سے استنجاء کرتے تھے، پھر پانی سے دھولیا کرتے تھے۔ تو اگر ذکر کو چھونا حدث ہوتا تو استنجاء بالماء بدن کو ناپاک کرنا ہوتا نہ کہ مطلقاً پاک کرنا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ج): **تشریح:** راویوں کی حالتیں چونکہ مختلف ہوتی ہیں اس لیے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو، سنتِ مشہورہ کے مخالف نہ ہو اور ظاہر کے مخالف نہ ہو اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا اور یہ شرطیں اس لیے لگائی گئی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میری وفات کے بعد تمہارے پاس بہت سی حدیثیں پہنچیں گی، جب میری طرف منسوب کر کے کوئی حدیث تمہارے سامنے بیان کی جائے تو تم اس حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرنا اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو اس کو قبول کر لینا اور اگر مخالف ہو تو اس کو رَد کر دینا۔

اس حدیث کی عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خبر واحد کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو، لیکن دلالت النص سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ خبر واحد کتاب اللہ کے مخالف نہ ہونے کے ساتھ ساتھ سنتِ مشہورہ اور ظاہر کے بھی مخالف نہ ہو، کیونکہ کتاب اللہ متیقن باصلہ ہے، جبکہ خبر واحد میں شبہ رہتا ہے اور جس میں شبہ ہو اس کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

ونظیر العرض علی الکتاب الخ: خبر واحد کو کتاب اللہ پر پیش کرنے کی مثال یہ ہے کہ خبر واحد "مَنْ مَسَّ ذَکَرَهٗ فَلْیَتَوَضَّأْ" سے ذکر کو چھونے کے بعد وضو کرنا ثابت ہو رہا ہے، گویا حدیث اس بات کو بتلا رہی ہے کہ ذکر کو چھونا حدث یعنی ناقضِ وضو ہے، کیونکہ اگر مسِّ ذکر کو ناقضِ وضو نہ مانا جائے تو پھر فَلْیَتَوَضَّأْ سے وضو کا حکم بلا فائدہ ہوگا۔ اور یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے مخالف ہے: "فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ أَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ"۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء والوں کی تعریف بیان کی ہے اور وجہِ تعریف یہ ہے کہ یہ لوگ خوب پاک صاف رہنے کو پسند فرماتے تھے اور ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اور یہ بات ظاہر ہے کہ پانی سے استنجاء کرتے وقت مسِ ذکر ضرور ہوگا پس اگر ذکر کو چھونا حدث یعنی ناقضِ وضو ہوتا تو پانی سے استنجاء کرنا جس سے مسِ ذکر لازم آتا ہے یہ مطلقاً پاکی نہ ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس پر اہلِ قباء کی تعریف فرماتے، حالانکہ اللہ نے قرآن میں اس عمل کو مطلق تطہیر قرار دیا ہے۔لہٰذا مسِ ذکر والی حدیث، قرآن کی آیت کے مخالف ہے۔اس لیے علمائے احنافؒ نے مسِ ذکر والی حدیث کو کتاب اللہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے ترک کردیا ہے۔

اور امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک مسِ ذکر ناقضِ وضو ہے، بشرطیکہ باطنِ کف سے ہو یعنی بلا حائل کے ہو اور امام احمدؒ کے نزدیک مطلقاً ناقضِ وضو ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مسِ ذکر والی حدیث کتاب اللہ کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسری حدیث کے بھی مخالف ہے اور وہ حدیث یہ ہے: ''عن طلق بن علي عن النبي علیه السلام قال: هل هو الّا مضغة منه أو بضعة منه'' یعنی ذکر بدن کا ایک حصہ ہی تو ہے، لہٰذا اس کو چھونے میں وضو ٹوٹنے کی کون سی بات ہے۔

نیز مسِ ذکر والی حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ مسِ ذکر سے مراد ذکر سے کچھ نجاست کا نکلنا ہے یا مراد استنجاء کے وقت مسِ ذکر ہے یا پھر حدیث میں وضو سے وضوءِ لغوی مراد ہے یعنی مسِ ذکر کے بعد ہاتھ دھولینا چاہیے۔

(۳۷) اُصول الشاشی: ص/۷۸

خَبرُ الْوَاحِدِ حُجَّةٌ فِي أَرْبَعَةِ مَوَاضِعَ خَالِصُ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى مَالَيْسَ بِعُقُوْبَةٍ وَخَالِصُ حَقِّ الْعَبْدِ مَافِيْهِ اِلْزَامٌ مَحْضٌ وَخَالِصُ حَقِّهٖ مَالَيْسَ فِيْهِ اِلْزَامٌ، وَخَالِصُ حَقِّهٖ مَافِيْهِ اِلْزَامٌ مِنْ وَجْهٍ.

(الف): اعراب لگایئے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): حسبِ بیانِ مصنفؒ چاروں مقامات پر خبرِ واحد کے حجت ہونے کی تفصیل تحریر کیجیے، نیز ہر ایک کی الگ الگ مثال لکھئے۔

(د): اور ہر ایک کا حکم بیان کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: خبرِ واحد چار موقعوں میں حجت ہے: (۱) خالص حق اللہ جو عقوبت اور سزا نہ ہو (۲) خالص حق العبد جس میں الزام محض ہو (۳) خالص حق العبد جس میں دوسرے پر کچھ لازم کرنا نہ ہو (۴) خالص حق العبد جس میں من وجہٍ الزام ہو۔

(ج): **تشریح**: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ خبرِ واحد چار جگہوں میں حجت ہے یعنی چار موقعوں پر خبرِ واحد کو دلیل میں پیش کیا جاسکتا ہے اور خبرِ واحد کی تعریف ماقبل میں گزر چکی ہے کہ جس کا راوی ایک ہو یا دو یا چند مگر وہ خبر، خبرِ مشہور کے درجہ تک نہ پہنچی ہو، اور یہاں واحد سے حقیقی واحد مراد نہیں ہے، بلکہ شرعی واحد مراد ہے اور شرعی واحد وہ ہے جو شہرت اور تواتر کی حد کو نہ پہنچا ہو یعنی اگر کوئی خبر نہ تو مشہور ہو اور نہ متواتر تو اس کو خبرِ واحد کہا جائے گا، پس دو گواہوں کی گواہی اور چار گواہوں کی گواہی بھی خبرِ واحد میں داخل ہوگی۔

الحاصل خبرِ واحد چار مقامات پر حجت ہوتی ہے:

(۱) خالص حقوق اللہ کے متعلق خبر جہاں حق العباد نہ ہو اور وہ حقوق اللہ، حدود اور عقوبات کے قبیل سے بھی نہ ہوں۔ جیسے: نماز، روزہ اور دیگر عبادات۔

(۲) خالص حقوق العباد کے متعلق خبر جس میں دوسرے پر الزام ہو یعنی دوسرے پر کوئی حق ثابت کرنا ہو جیسے قرض کا اثبات اور دیگر منازعات، بیع و غصب وغیرہ مثلاً زید، مبشر کے بارے میں یہ خبر دے کہ اس نے میرے ایک ہزار روپیے غصب کر لیے ہیں،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

اس میں مبشر پر ایک ہزار روپیے لازم اور ثابت کرنا ہے۔

(۳) خالص حقوق العباد کے متعلق خبر جس میں دوسرے پر الزام یعنی کوئی حق ثابت کرنا نہ ہو جیسے کسی شخص نے دوسرے شخص کو آکر یہ خبر دی کہ فلاں نے تجھ کو اپنا وکیل یا مضارب یا کسی کام میں شریک بنایا ہے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ وہ وکیل بننا، مضارب بننا اور شریک بننا منظور کرے یا نہ کرے اس پر کوئی زبردستی اور الزام نہیں ہے۔

(۴) خالص حقوق العباد کے متعلق خبر جس میں من وجہٍ الزام واثبات ہو اور من وجہٍ نہ ہو۔ جیسے: عزل یعنی وکیل کو وکالت سے برطرف اور معزول کرنا اور حجر یعنی مولیٰ کا عبد ماذون کو تجارت وغیرہ سے روک دینا۔ اس چوتھی قسم میں الزام نہ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اس میں مؤکل اور مولیٰ نے اپنے حق میں تصرف کیا ہے وکیل کو وکالت سے برخاست کرکے اور عبد ماذون کو تجارت وغیرہ سے روک کر یعنی جس طرح وکیل بننا مؤکل کی مرضی سے عمل میں آیا تھا تو اسی طرح اس کی برطرفی بھی مؤکل کی مرضی سے ہوئی ہے، چنانچہ وکیل پر اس اعتبار سے الزام واثبات نہیں ہے۔ اسی طرح عبد ماذون کو تجارت وغیرہ سے روکنا مولیٰ کی مرضی سے عمل میں آیا ہے، لہٰذا اس میں بھی الزام و اثبات نہیں ہے، بلکہ مؤکل اور مولیٰ کا اپنے حق میں تصرف کرنا ہے۔

اور الزام ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اگر عبد ماذون حجر یعنی منع کر دینے کے بعد اور وکیل معزول کر دینے کے بعد اگر کوئی چیز خریدے تو اس کے ثمن وغیرہ کی ذمہ داری خود وکیل اور عبد ماذون پر لازم ہوگی نہ کہ مؤکل اور مولیٰ پر، لہٰذا اس قسم میں اس اعتبار سے الزام واثبات ہوا۔

(د): حکم الاوّل: پہلی قسم میں خبر واحد معتبر ہے، چنانچہ رمضان کے چاند کے سلسلہ میں نبی علیہ السلام نے ایک دیہاتی کی خبر قبول فرمائی تھی، لہٰذا اگر آسمان میں بدلی ہو اور گرد آلود ہو تو ایک آدمی کی خبر معتبر ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

حکم الثانی: دوسری قسم میں عدد یعنی گواہوں کا دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا نیز ان گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے جیسے: منازعات یعنی مالی دعوے، بیع و غصب وغیرہ میں گواہوں کا دو ہونا اور عادل ہونا ضروری ہے۔

حکم الثالث: تیسری قسم میں نہ عدد شرط ہے اور نہ عدالت، لہٰذا اس قسم میں ایک آدمی کی گواہی بھی معتبر سمجھی جائے گی، خواہ عادل ہو یا فاسق، کافر ہو یا مسلمان، بالغ ہو یا ہوشیار بچہ۔ اس کی نظیر معاملات ہیں مثلاً وکالت اور مضاربت وغیرہ کی خبر میں چونکہ الزامِ حق نہیں ہوتا، لہٰذا ایک آدمی کی خبر معتبر سمجھی جائے گی۔

حکم الرابع: چوتھی قسم میں چونکہ دو حیثیتیں ہوتی ہیں: (۱) من وجہِ الزام (۲) من وجہِ غیر الزام، لہٰذا اس قسم میں شہادت کے دو جزؤں یعنی عدد و عدالت میں سے ایک کا پایا جانا کافی ہے، لہٰذا گواہ یا تو دو ہوں یا پھر ایک ہو، مگر وہ عادل ہو۔ اس کی نظیر عزل اور حجر ہے۔

چنانچہ اگر کوئی مخبر کسی مؤکل کے وکیل کو وکالت سے برطرف کرنے کی خبر دے یا کوئی مخبر عبد ماذون کو مولیٰ کی طرف سے برطرف اور منع کرنے کی خبر دے تو مخبر کے اندر عدد یا عدالت میں سے ایک چیز کا پایا جانا ضروری ہے۔ لہٰذا خبر دینے والے یا تو دو آدمی ہوں جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو یا ایک آدمی ہو مگر وہ عادل ہونا چاہیے، پس اب اس کی خبر قابلِ اعتبار اور قابلِ قبول ہوگی۔

(۳۸) اُصول الشاشی: ص/۹۷

ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِکَ الْاِجْمَاعُ عَلٰی نَوْعَیْنِ: مُرَکَّبٌ وَغَیْرُ مُرَکَّبٍ، فَالْمُرَکَّبُ مَا اجْتَمَعَ عَلَیْهِ الْآرَاءُ عَلٰی حُکْمِ الْحَادِثَةِ مَعَ وُجُوْدِ الْاِخْتِلَافِ فِي الْعِلَّةِ، وَمِثَالُهُ الْاِجْمَاعُ عَلٰی وُجُوْدِ الْاِنْتِقَاضِ عِنْدَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

الْـقَيْءِ وَمَسِّ الْمَرْأَةِ، أَمَّـا عِنْـدَنَا فَبِنَاءٌ عَلَى الْقَيْءِ، وَأَمَّا عِنْدَهُ فَبِنَاءٌ عَلَـى الْـمَسِّ، ثُمَّ هٰذَا النَّوْعُ مِنَ الْإِجْمَاعِ لَايَبْقَى حُجَّةً بَعْدَ ظُهُوْرِ الْفَسَادِ فِي أَحَدِ الْمَأْخَذَيْنِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "ذٰلِکَ" کا مشارٌ الیہ نیز "ھٰذا النوع" اور "مأخذین" کی مراد واضح کرتے ہوئے تفصیل کے ساتھ مطلب لکھیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: پھر اس کے بعد اجماع کی دو قسمیں ہیں (۱) اجماع مرکب (۲) اجماع غیر مرکب۔ پس اجماع مرکب وہ اجماع ہے جس میں کسی واقعہ کے حکم پر بہت سی رائے جمع ہو جائیں اس حکم کی علت میں اختلاف کے پائے جانے کے ساتھ۔ اور اس کی مثال قئی اور مس مرأۃ کے وقت نقضِ وضو کے وجود پر اجماع ہے۔ رہی بات ہمارے نزدیک تو قئی پر بناء کرتے ہوئے ہے۔ اور بہرحال امام شافعیؒ کے نزدیک تو مس مرأۃ پر بناء کرتے ہوئے ہے۔ پھر اجماع کی یہ قسم یعنی اجماع مرکب مأخذین یعنی دونوں علتوں میں سے کسی ایک علت میں فساد کے ظاہر ہونے کے بعد حجت باقی نہیں رہے گی۔

(ج): **تشریح**: ثم بعد ذٰلک أي بعد بیان أقسام الاجماع السندي. آپ نے شروع کتاب میں پڑھا تھا کہ اُصولِ فقہ چار ہیں: (۱) کتاب اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ (۳) اجماع (۴) قیاس۔ ان میں سے تیسری اصل اجماع ہے۔ اجماع کے لغوی معنیٰ دو ہیں: (۱) پختہ ارادہ کرنا جیسے اجمع فلان علی کذا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

أي عزم علیه (۲) کسی چیز پر متفق ہونا جیسے اجمعوا علٰی کذا أي اتفقوا علیه۔

اجماع کی اصطلاحی تعریف: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امت محمدیہ کے تمام مجتہدین صالحین کا کسی بھی زمانہ میں کسی حکمِ شرعی پر اتفاق کرلینا خواہ وہ قول سے ہو یا فعل سے یا اعتقاد سے۔

(الإجماع فهو إتفاق علماء كل عصرٍ من أهل السنّة ذوى العدالة والإجتهاد علٰى حكمٍ من الأحكام قولًا كان أو فعلًا أو اعتقاداً)

اجماع کی اوّلاً دو قسمیں ہیں:

(۱) اجماعِ سندی: وہ امت محمدیہ کے تمام مجتہدین کا کسی حکم پر متفق ہونے کا نام ہے۔

(۲) اجماعِ مذہبی: وہ بعض مجتہدین کا کسی حکم پر متفق ہونے کا نام ہے، پھر اجماع سندی کی قوت اور ایجابِ حکم کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں۔

(۱) کسی واقعہ میں تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تصریحی اجماع۔ جیسے: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اجماع۔

(۲) تمام صحابہ میں بعض کی تصریح اور بعض کا رد کرنے سے سکوتی اجماع۔ جیسے: أنت طالق ثلاثًا کہنے سے دفعۃً واحدۃً تین طلاق کا واقع ہونا حضرت عمرؓ کا قول تھا مگر بقیہ حضرات نے اس کو رد نہیں کیا بلکہ سکوت اختیار کرلیا۔

(۳) تابعین وتبعِ تابعین کا اجماع سلف سے غیر منقول معاملہ میں۔

(۴) اس کے بعد ہر زمانہ کے صاحبِ بصیرت علماء کا اقوالِ سلف میں سے کسی ایک قول پر اجماع جیسے اُمِّ ولد کے بیچنے کے سلسلہ میں صحابہ کا اختلاف تھا پھر تابعین کے زمانہ میں اس کی بیع کے عدمِ جواز پر اجماع ہوگیا۔ پہلی قسم علم وعمل میں آیتِ قرآن کے مانند ہے اور دوسری قسم خبرِ متواتر کے مثل ہے اور تیسری قسم خبرِ مشہور کے درجہ میں ہے اور چوتھی قسم خبرِ واحد کے برابر ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ثمّ بعد ذلک الخ: مصنفؒ اجماع سندی اور اس کی اقسامِ اربعہ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب اجماع مذہبی کی دو قسمیں بیان فرمارہے ہیں۔ اجماع مرکب و غیر مرکب۔

(۱) اجماع مرکب: وہ اجماع ہے جس میں بعض مجتہدین کی رائیں کسی مسئلہ کے حکم پر متفق ہو جائیں، مگر اس حکم کی علت میں مجتہدین کا باہمی اختلاف ہو۔
اس کی مثال یہ ہے کہ مجتہدین یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اس شخص کے وضو ٹوٹ جانے پر اجماع اور اتفاق ہے جس نے منہ بھر کر قیٔ کی ہو اور اس نے کسی عورت کو چھوا بھی ہو، مگر اس اجماع میں نقضِ وضو کی علت کے اندر اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک نقضِ وضو کی علت اس کو قیٔ ہونا ہے، کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔
اور امام شافعیؒ کے نزدیک نقضِ وضو کی علت مس مرأۃ ہے، کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک قیٔ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس مسئلہ سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ حکم کا مدار علت پر ہے، لہٰذا اگر حکم کی علت میں فساد ظاہر ہو جائے یعنی علت ہی فوت ہو جائے تو اب وہ اجماع قابلِ حجت نہیں رہے گا، مثلاً مثال مذکور میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ قیٔ ناقضِ وضو نہیں ہے تو امام صاحبؒ قیٔ سے نقضِ وضو کا حکم بھی نہیں دیں گے، اسی طرح اگر دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ مسِّ مرأۃ ناقضِ وضو نہیں ہے تو اب امام شافعیؒ مسِّ مرأۃ سے نقضِ وضو کا حکم نہیں دیں گے، لہٰذا جس علت کی بناء پر امام شافعیؒ نے نقضِ وضو کا حکم دیا تھا تو اب جبکہ امام شافعیؒ کو اس علت کا یعنی مسِّ مرأۃ کا غیر ناقضِ وضو ہونا معلوم ہو گیا تو اب نقضِ وضو پر اجماع بھی باطل ہو گیا، لہٰذا اب یہ اجماع علت میں ظہورِ فساد کی وجہ سے قابلِ حجت نہیں رہے گا۔

(۲) اجماع مذہبی کی دوسری قسم اجماع غیر مرکب: وہ اجماع کہلاتا ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جس میں کسی حکم پر مجتہدین کا اتفاق ہو اور حکم کی علت میں بھی اتفاق ہو۔ جیسے: سبیلین سے خروج نجاست کی وجہ سے امام صاحبؒ اور امام شافعیؒ دونوں حضرات نقضِ وضو کا حکم دیتے ہیں اور دونوں کے نزدیک حکم کی علت خروجِ نجاست ہے۔

فائدہ: اجماع مرکب کی ایک عجیب وغریب قسم عدم القائل بالفصل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو مسئلے اس انداز کے ہوں کہ ان میں اختلاف ائمہ ہو اور ایک امام ان دونوں مسئلوں میں سے اگر ایک کو ثابت مانتا ہو تو دوسرا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جائے، کیونکہ دونوں مسئلوں میں کوئی امام فصل اور فرق کا قائل نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی امام ان دو مسئلوں میں سے ایک کو تو ثابت مان لے اور دوسرے کو ثابت نہ مانے، بلکہ یا تو دونوں کو ساتھ ساتھ ثابت ماننا ہوگا یا دونوں کا ساتھ ساتھ انکار کرنا ہوگا اسی کو عدم القائل بالفصل کہتے ہیں۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) منشاء اختلاف دونوں صورتوں میں ایک ہو (۲) منشاء اختلاف دونوں صورتوں میں مختلف ہو۔ اوّل حجت ہے ثانی حجت نہیں۔

نوٹ: هٰذا النوع سے مراد اجماع مرکب اور "مأخذین" سے مراد دونوں علتیں ہیں۔

(۳۹) أُصول الشاشي: ص/۸۴

وَعَلٰى اِعْتِبَارِ أَنَّ الْعَمَلَ بِالرَّأْيِ دُوْنَ الْعَمَلِ بِالنَّصِّ قُلْنَا: اِنَّ الشُّبْهَةَ بِالْمَحَلِّ اَقْوٰى مِنَ الشُّبْهَةِ فِي الظَّنِّ حَتّٰى سَقَطَ اِعْتِبَارُ ظَنِّ الْعَبْدِ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ وَمِثَالُهُ فِيْمَا إِذَاوَطِيَ جَارِيَةَ اِبْنِهٖ لَايُحَدُّ، وَإِنْ قَالَ عَلِمْتُ: أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ.

(الف): اعراب لگائیں۔

(ب): ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(ج): شبہ فی المحل اور شبہ فی الظن کی تعریف تحریر کریں۔

(د): عبارت کا مطلب لکھیں، اگر باپ نے بیٹے کی باندی سے حرمتِ وطی کے علم کے باوجود وطی کی تو باپ پر حدّ زنا نافذ ہوگی یا نہیں؟ جو لکھیں دلیل کے ساتھ لکھیں۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اس بات کا اعتبار کرنے کی بناء پر کہ رائے پر عمل کرنا نص پر عمل کرنے سے کمتر درجہ ہے، ہم نے کہا کہ شبہ فی المحل شبہ فی الظن سے زیادہ قوی ہے، یہاں تک کہ فصل اوّل یعنی شبہ فی المحل میں بندہ کے خیال کا اعتبار ساقط ہوگا۔ و مثاله الخ اور شبہ فی المحل اور شبہ فی الظن میں سے ہر ایک کی مثال (کیونکہ ضمیر کا مرجع سقوط ظن العبد في شبهة المحل وعدم سقوطه في شبهة الظن. دونوں ہوسکتا ہے) اس مسئلہ میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کرلے تو اس کو حدّ زناء نہیں لگائی جائے گی اگرچہ وہ یہ کہے کہ مجھ کو معلوم تھا کہ یہ باندی مجھ پر حرام ہے۔

(ج): شبه في المحل و شبه في الظن:

(ا) شبہ فی المحل کا مطلب: یہ ہے کہ ایسی کوئی دلیل پائی جائے۔ مثلاً قرآن کریم کی آیت یا کوئی حدیث کہ جس کے اندر کسی چیز کا حلال ہونا معلوم ہو یا حرام ہونا، مگر کسی مانع کی وجہ سے اس حلت وحرمت کا اثر ظاہر نہ ہو، مگر چونکہ اس نص کے اندر یعنی قرآن یا حدیث کے اندر جس چیز کا حلال ہونا بتلایا گیا ہے، تو اس نص سے اس چیز کے حلال ہونے کا ضرور شبہ ہوگا اگرچہ مانع ہونے کی وجہ سے وہ حقیقت میں حلال نہیں ہے، اسی طرح اگر اس نص میں کسی چیز کا حرام ہونا بتلایا گیا ہے، جبکہ کسی مانع کی وجہ سے حقیقت میں وہ حرام نہیں ہے، مگر نص سے اس کے حرام ہونے کا ضرور شبہ ہوگا۔ اسی کو شبہ فی المحل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

کہتے ہیں، اور اسی کو شبہۃ الدلیل وشبہ حکمیہ بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) شبہ فی الظن کا مطلب: یہ ہے کہ آدمی کسی ایسی چیز کو حلت وحرمت کی دلیل سمجھ لے جو واقعۃً حلت وحرمت کی دلیل نہ ہو، لہٰذا شبہ فی المحل میں جو شبہ ہوتا ہے وہ نص سے پیدا ہوتا ہے اور شبہ فی الظن کے اندر جو شبہ ہوتا ہے وہ آدمی کی محض اپنی غلط فہمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(د): **تشریح:** اس عبارت کے اندر مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اس ضابطہ کا اعتبار کرتے ہوئے کہ رائے اور قیاس پر عمل کرنا نص پر عمل کرنے سے کمتر درجے کا ہے، لہٰذا نص کے ہوتے ہوئے قیاس کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، اسی قاعدہ کو عبارتِ مذکورہ کے اندر بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ شبہ فی المحل شبہ فی الظن سے قوی تر ہے، اسی وجہ سے فصلِ اوّل یعنی شبہ في المحل میں حلت وحرمت کے سلسلہ میں بندے کے ظن اور گمان کا اعتبار نہ ہوگا؛ بلکہ شبہ فی المحل کا اعتبار ہوگا جو ناشی من الدلیل ہوتا ہے اور شبہ فی الظن کے اندر بندے کے ظن کا اعتبار ہوگا۔ شبہ فی المحل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی آدمی کی نظر اس حدیث پر پڑگئی "أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ" کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملک ہے، اور چونکہ بیٹے کی مملوکہ باندی بھی ایک مال ہے تو باپ نے یہ سمجھا کہ میرے بیٹے کی باندی بھی میری ملک ہے؛ چنانچہ میں دوسری چیزوں کے استعمال کی طرح اس کو بھی استعمال کرنے کا مستحق ہوں تو اگر چہ اس حدیث مذکور سے بیٹے کی باندی میں باپ کی ملکیت ہونا اور باپ کا تصرفات کا حلال ہونا معلوم ہوتا ہے، مگر اس حلت کا اثر ایک مانع کی وجہ سے ظاہر نہ ہوگا۔ اور وہ مانع یہ ہے کہ اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ بیٹے کی باندی میں باپ کی حقیقی ملک نہیں ہوتی جس سے باپ کا اس باندی سے وطی کرنا حلال ہو؛ مگر چونکہ باپ کی نظروں کے سامنے یہ حدیث ہے "أنت ومالك لأبيك"

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جس بنا پر باپ کو اس باندی سے وطی کے حلال ہونے کا شبہ ہے، لہٰذا اگر اس شبہ کی بنا پر اس نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کرلی تو اس پر حدِ زنا جاری نہیں ہوگی، اگرچہ باپ یہ بھی کہہ دے کہ مجھ کو تو معلوم تھا کہ اس باندی سے وطی کرنا میرے لیے حرام ہے اور حدِ زنا ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ باپ کا وطی کرنا ایک شبہ کی وجہ سے ہے جس کو شبہ فی المحل کہتے ہیں، اور وہ شبہ دلیل سے پیدا ہوا ہے نہ کہ بلا وجہ، اور شبہ سے حدود ساقط ہوجاتی ہیں، حدیث ہے: ''الحدود تندرئ بالشبهات'' لہٰذا اس شبہ فی المحل کا اعتبار ہوگا، اور باپ کا یہ کہنا ''علمت انها علي حرام'' محض باپ کا ایک خیال ہے اور شبہ فی المحل کے ہوتے ہوئے بندے کے گمان کا اعتبار نہیں ہوتا، لہٰذا اس وطی سے اگر بچہ پیدا ہوگیا تو اس کا نسب اس واطی سے ثابت ہوجائے گا؛ کیونکہ یہاں بیٹے کی مملوکہ باندی میں باپ کو اپنی ملکیت کا شبہ ہوگیا، اور شبہ بھی ایسا جو دلیل سے پیدا ہوا ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ نسب جس طرح حقیقۃً ملکیت سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح شبہ ٔ ملکیت سے بھی ثابت ہوجاتا ہے، مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ اب باپ کے ذمہ اس باندی کی صرف قیمت ادا کرنا ضروری ہے نہ کہ اس کا مہر اور نہ ہی اس پیدا شدہ بچہ کی قیمت۔

اور شبہ فی الظن کی مثال یہ ہے کہ اگر بیٹے نے اپنے باپ کی باندی سے وطی کرلی اور وطی کے حلال ہونے کی دلیل ایسی چیز کو سمجھ لیا جو واقعۃً حلت کی دلیل نہیں ہے۔ مثلاً اس نے یہ سمجھا کہ جس طرح میں اپنے باپ کا دیگر سامان استعمال کرلیتا ہوں، مثلاً چادر، گاڑی، موٹر سائیکل وغیرہ تو اسی طرح باندی سے وطی بھی میرے لیے حلال ہوگی، لہٰذا بیٹے کا یہ ظن شبہ فی الظن کہلائے گا نہ کہ شبہ فی المحل؛ کیونکہ بیٹے کے لیے وطی کا حلال ہونا کسی نص سے ثابت نہیں ہوا ہے جس بنا پر اس کو شبہ فی المحل کہا جائے، لہٰذا جب بیٹے کا یہ شبہ، شبہ فی الظن ہے اور شبہ فی الظن میں بندے کے خیال اور ظن کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا اگر لڑکا یہ کہے کہ میں نے اپنے باپ کی باندی کو اپنے لیے حلال سمجھ کر وطی کی ہے تو چونکہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

شبہ سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں، اس لیے بیٹے پر حدِّ زنا جاری نہ ہوگی اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے حرام سمجھ کر وطی کی ہے تو اب اس پر حدِّ زناء جاری ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں حدِّ زنا جاری ہونے کے لیے کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ اور واطی سے اس بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا یعنی اگر بیٹے کی وطی سے بچہ پیدا ہو جائے؛ کیونکہ یہاں باپ کی باندی میں بیٹے کی نہ حقیقۃً ملک ہے اور نہ شبہۃً بلکہ اس کا وطی کرنا خالص زنا ہے اور زنا میں نسب ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ حدیث میں ہے: "الولد للفراش وللعاهر الحجر" یعنی بچہ اس کا ہوگا جو فراش بنی یعنی عورت کا، اور زانی کے لیے پتھر ہیں، اور رہا اس واطی سے حدِّ زنا کا ساقط ہونا تو وہ صرف شبہ کی وجہ سے ہے واطی کے "ظننت أنها علي حلال" کہنے کی صورت میں۔

(۴۰) أصول الشاشی: ص/۸۵

شُرُوْطُ صِحَّةِ الْقِيَاسِ خَمْسَةٌ، أَحَدُهُمَا اَنْ لَايَكُوْنَ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ. وَالثَّانِي أَنْ لَايَتَضَمَّنَ تَغْيِيرَ حُكْمٍ مِنْ اَحْكَامِ النَّصِّ. وَالثَّالِثُ أَنْ لَايَكُوْنَ الْمُعَدّٰى حُكْمًا لَّايُعْقَلُ مَعْنَاهُ، وَالرَّابِعُ أَنْ يَّقَعَ التَّعْلِيْلُ لِحُكْمٍ شَرْعِيٍّ لَا لِاَمْرٍ لُغَوِيٍّ، وَالْخَامِسُ أَنْ لَايَكُوْنَ الْفَرْعُ مَنْصُوْصًا عَلَيْهِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): نص کے حکم کی تغییر کا مفہوم اور "المعدّی" کا موصوف متعین کیجیے، عبارت میں ذکر کردہ صحتِ قیاس کی پانچوں شرطوں کی وضاحت کے بعد ہر ایک کی کم از کم ایک ایک مثال بھی تحریر کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جواب

(الف): عبارت بااعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** قیاس کے صحیح ہونے کی شرطیں پانچ ہیں،ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قیاس نص یعنی قرآن وحدیث کے مقابلہ میں نہ ہواور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قیاس،نص کے احکام میں سے کسی حکم کے متغیر کرنے کو متضمن نہ ہواور تیسری شرط یہ ہے کہ اصل سے فرع کی طرف متعدی کیا جانے والا حکم ایسا حکم نہ ہو جس کے معنیٰ عقل میں نہ آتے ہوں اور چوتھی شرط یہ ہے کہ نص کی علت کو بیان کرنا حکمِ شرعی کے لیے ہو نہ کہ امرِ لغوی کے لیے ہواور پانچویں شرط یہ ہے کہ فرع منصوص علیہ نہ ہو۔

(ج): **تشریح:** "المعدی" أي الحکم المعدّی. مصنفؒ فرماتے ہیں کہ صحت قیاس کے لیے پانچ شرطیں ہیں اور ہر قیاس حجتِ شرعی نہ ہوگی بلکہ وہی قیاس حجتِ شرعی ہوگی جس میں یہ پانچ شرطیں پائی جائیں: (۱) قیاس،نص کے معارض اور مقابل نہ ہو،نص،آیتِ قرآنی یا حدیث ہو یا فقیہ صحابی کی رائے ہو،کیونکہ نص قطعی ہوتی ہے اور قیاس ظنی ہوتا ہے اور ظنی،قطعی کا معارض نہیں ہوسکتا،لہٰذا جو حکم نص میں ہے اس کے لیے قیاس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

مثال: حضرت حسن بن زیادؒ سے ایک دیہاتی کا سوال کہ قہقہہ فی الصلوٰۃ ناقضِ وضو ہے یا نہیں؟

آپ نے فرمایا کہ ناقضِ وضو ہے۔جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے "من ضحک منکم قهقهةً فلیعد الوضوء والصلوٰة جمیعًا" اس دیہاتی نے کہا کہ اگر کوئی شخص نماز میں کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، حالانکہ اس کا گناہ عظیم ہے،پھر قہقہہ سے کیونکر وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

تو دیہاتی کا یہ قیاس نص کے مقابل ہونے کی وجہ سے مردود ہے؛ کیونکہ یہاں مقیس علیہ خود خلافِ قیاس ہے یعنی قہقہہ سے وضو کا ٹوٹنا خلافِ عقل ہے، کیونکہ نقضِ وضو خروجِ نجاست سے ہوتا ہے جبکہ قہقہہ میں خروجِ نجاست نہیں ہوتا، لہٰذا جب مقیس علیہ خود خلاف قیاس ہے تو اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا جائز نہ ہوگا۔

(۲) دوسری شرط: یہ ہے کہ قیاس کرنے سے نص کے احکام میں سے کوئی حکم متغیر نہ ہوتا ہو یعنی نص کے ذریعہ جیسا حکم ثابت ہو بعینہٖ ویسا ہی حکم قیاس کے ذریعہ سے مقیس یعنی فرع میں ثابت ہو، مثلاً اگر نص کے ذریعہ مطلق حکم ثابت ہوا ہے تو قیاس کے ذریعہ بھی حکم مطلق ہی ثابت ہو ایسا نہ ہو کہ نص کے ذریعہ حکم مطلق ثابت ہو اور قیاس کے ذریعہ حکم مقید ثابت ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ نص کے ذریعہ جو حکم ثابت ہوگا وہ قطعی ہوگا اور قیاس کے ذریعہ جو حکم ثابت ہوگا وہ ظنی ہوگا اور ایسی تغییر مضر نہیں ہے۔

مثال: تیمّم پر قیاس کر کے وضو میں نیت کو شرط قرار دینا ہے۔ چونکہ اس طرح سے آیتِ وضو "يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ الخ" مطلق سے مقید بنتی ہے اور یہ ایک قسم کی تغییر ہے اس لیے یہ قیاس بھی تغییر ہے۔

(۳) تیسری شرط: یہ ہے کہ اصل سے فرع کی طرف منتقل اور متعدی کیا جانے والا حکم خلافِ قیاس اور غیر معقول نہ ہو، لہٰذا اگر مقیس علیہ کا حکم خود ہی خلافِ قیاس ہے تو اس کو فرع کی جانب منتقل کرنا جائز نہ ہوگا۔

مثال: نماز میں حدث ہو جانے پر نماز میں احتلام ہونے کو قیاس کرنا ہے کہ جس طرح خروجِ ریح سببِ حدث ہے اسی طرح احتلام بھی باعثِ حدث ہے تو جس طرح خروجِ ریح وغیرہ سے نماز کو بناء کرنا درست ہے اسی طرح احتلام سے بھی بناء کرنا جائز ہے۔ مقیس علیہ کے فوق العقل ہونے کی بناء پر یہ قیاس غیر مقبول ہے۔

(۴) چوتھی شرط: یہ ہے کہ نص یعنی مقیس علیہ کی علت بیان کرنے کا مقصد

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

دوسری چیز میں حکمِ شرعی کو ثابت کرنا ہو نہ کہ حکمِ لغوی کو، لہٰذا اگر وہ حکم، حکمِ شرعی نہ ہوگا تو فرع کی طرف اس کا متعدی کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

مثال: شیرۂ انگور پکا دینے کے بعد خمر یعنی شراب بن جاتا ہے جو کہ حرام ہے اور خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں، چونکہ یہ عقل کو چھپا لیتی ہے تو اگر شیرۂ انگور کے علاوہ کوئی اور چیز بھی عقل کو چھپالے اور نشہ پیدا کرے تو وہ بھی خمر ہے۔ یہ قیاس درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا تعلق لغت سے ہوا نہ کہ امرِ شرعی سے اور تعلق کا امرِ شرعی سے ہونا ضروری ہے نہ کہ امر لغوی سے۔

(۵) پانچویں شرط: یہ ہے کہ فرع منصوص علیہ نہ ہو یعنی قرآن وحدیث وغیرہ میں اس کا حکم مذکور نہ ہو، کیونکہ جب فرع کا حکم نص سے ثابت ہو ہی گیا تو اب قیاس کر کے حکم جدید ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

مثال: کفارۂ ظہار یا کفارۂ یمین میں غلام کے ساتھ مومن کی قید لگانا قیاس کرتے ہوئے کفارۂ قتل پر اور یہ قیاس فاسد ہے، کیونکہ قیاس کے صحیح ہونے کی پانچویں شرط یہ ہے کہ مقیس منصوص علیہ نہ ہو، حالانکہ یہاں مقیس یعنی کفارۂ ظہار و کفارۂ یمین منصوص علیہ ہیں۔ چنانچہ کفارۂ ظہار کے بارے میں آیت ہے: "وَالَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ یَّتَمَآسَّا" اس آیت میں کفارۂ ظہار کے لیے مطلق رقبہ آزاد کرنا مذکور ہے اسی طرح کفارۂ یمین کے بارے میں آیت ہے: "فَكَفَّارَتُهٗ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِیْنَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِیْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ" اس آیت میں بھی مؤمن کی قید نہیں ہے۔ لہٰذا فرع کے منصوص علیہ ہونے کی وجہ سے اس کو کفارۂ قتل "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ" پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۴۱) اُصول الشاشی: ص ر ۸۷

وَيَجُوزُ لِلْمُحْصَرِ أَنْ يَّتَحَلَّلَ بِالصَّوْمِ بِالْقِيَاسِ عَلَى الْمُتَمَتِّعِ وَالْمُتَمَتِّعُ إِذَا لَمْ يَصُمْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ يَصُوْمُ بَعْدَهَا بِالْقِيَاسِ عَلَى قَضَاءِ رَمَضَانَ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): تشریح کرتے ہوئے بتلائیں کہ مذکورہ مسائل صحتِ قیاس کی کون سی شرط کی مثال ہیں؟ شرط کی وضاحت کر کے مثالوں کو اس پر منطبق کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** اور محُصَر کے لیے روزہ رکھ کر حلال ہونا جائز ہے متمتع پر قیاس کرتے ہوئے اور متمتع نے جب ایامِ تشریق میں روزہ نہیں رکھا تو اس کے بعد روزہ رکھے گا قضاءِ رمضان پر قیاس کرتے ہوئے۔

(ج): **تشریح:** مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مُحصَر یعنی جس کو حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا گیا ہو تو اس پر ہدی کو ذبح کرنا واجب ہے، لیکن اگر وہ ہدی کو ذبح کرنے پر قادر نہ ہو تو روزوں کے ذریعہ اس کے لیے حلال ہونا جائز ہے (یعنی احرام کھولنا جائز ہے) قیاس کرتے ہوئے متمتع پر (متمتع وہ شخص ہے جس نے میقات سے حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا ہو) یعنی جس طرح متمتع پر ہدی کا ذبح کرنا واجب ہے لیکن اگر وہ ہدی پر قادر نہ ہو تو دس روزے رکھ کر حلال ہو سکتا ہے، تین روزے ایامِ حج میں ساتویں، آٹھویں، اور نویں ذی الحجہ کو اور سات روزے اپنے وطن میں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ" لہٰذا اسی طرح جب مُحصَر ہدی کے ذبح کرنے سے عاجز ہو جائے تو وہ بھی دس روزے رکھ کر حلال ہو سکتا ہے اور دونوں کے اندر علت مشترکہ ذبح کرنے سے عاجز ہونا ہے۔ مگر یہ قیاسِ فاسد ہے، کیونکہ اس کے اندر قیاس کے صحیح ہونے کی پانچویں شرط مفقود ہے اور وہ یہ ہے کہ فرع منصوص علیہ نہ ہو۔

حالانکہ قرآن کے اندر امام شافعیؒ کے مقیس یعنی مُحصَر کا حکم موجود ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مُحصَر کے حلال ہونے کی صرف اور صرف ایک ہی شکل ہے یعنی ہدی کا ذبح کرنا نہ کہ روزے رکھ کر حلال ہونا جیسا کہ امام صاحبؒ کا یہی مذہب ہے۔

و المتمتع إذا لم يصم الخ: اسی طرح دوسرا قیاس امام شافعیؒ نے یہ کیا کہ متمتع جس پر ہدی ذبح کرنا واجب تھا اور ہدی ذبح کرنے پر قادر نہ ہونے کی صورت میں اس پر دس روزے رکھنا واجب ہو گئے، جن میں تین روزے یوم النحر سے پہلے رکھنا ضروری تھا، لیکن اگر وہ یوم النحر سے پہلے تین روزے نہیں رکھ پایا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر ہدی کا واجب ہونا لوٹ آئے گا۔

مگر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ہدی کا وجوب لوٹ کر نہیں آئے گا بلکہ ان تینوں روزوں کی ایامِ تشریق کے بعد قضاء کر لے قیاس کرتے ہوئے قضاءِ رمضان پر یعنی جس طرح رمضان کے روزوں کی بعد میں قضاء کی جا سکتی ہے اسی طرح متمتع شخص کے فوت شدہ تین روزوں کی ایامِ تشریق کے بعد قضاء کی جا سکتی ہے اور ان دونوں میں علتِ مشترکہ ان روزوں کا مقید بالوقت ہونا ہے، لہٰذا متمتع شخص اپنے فوت شدہ تین روزوں کی قضاء بعد میں کرے گا اور اس پر ہدی کا ذبح کرنا ضروری نہ ہوگا۔

مگر ہمارے نزدیک امام شافعیؒ کا یہ قیاس فاسد ہے، کیونکہ قیاس کے صحیح ہونے کی یہ شرط تھی کہ فرع منصوص علیہ نہ ہو، حالانکہ نص سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر متمتع یوم النحر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

سے پہلے پہلے تین روزے نہ رکھ سکے تو اس پر ہدی واجب ہوگی اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے حج تمتع کیا اور ہدی کے بدلے روزہ نہیں رکھ سکا، حتیٰ کہ یومِ عرفہ گزر گیا تو یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: "علیک الھدی" اب تجھ پر ہدی یعنی دم ہی واجب ہے اس آدمی نے کہا: "لا أجد" میں تو ہدی نہیں پاتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "سل عن قومک" اپنی قوم سے مانگو اس آدمی نے کہا یہاں میری قوم کا کوئی آدمی نہیں ہے، تو حضرت عمرؓ نے اپنے غلام سے کہا اس کو بکری کی قیمت بھر پیسے دے دو۔

لہٰذا حضرت عمرؓ کے قول "علیک الھدی" سے معلوم ہوا کہ یوم النحر سے پہلے تین روزے فوت ہونے کی صورت میں متمتع کے لیے ہدی ذبح کرنے کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں ہے۔

لہٰذا امام شافعیؒ کا صومِ تمتع کو قضاء رمضان پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مقیس یعنی فرع منصوص علیہ ہے، حالانکہ صحت قیاس کی پانچویں شرط یہ تھی کہ فرع منصوص علیہ نہ ہو اور یہ شرط یہاں مفقود ہے۔

(۴۲) اُصول الشاشی: ص/ ۸۷

اَلْقِیَاسُ الشَّرْعِیُّ هُوَ تَرَتُّبُ الْحُکْمِ فِيْ غَیْرِ الْمَنْصُوْصِ عَلَیْهِ عَلٰی مَعْنًی هُوَ عِلَّةٌ لِّذٰلِکَ الْحُکْمِ فِي الْمَنْصُوْصِ عَلَیْهِ ثُمَّ اِنَّمَا یُعْرَفُ کَوْنُ الْمَعْنٰی عِلَّةً بِالْکِتَابِ وَبِالسُّنَّةِ وَبِالْاِجْمَاعِ وَبِالْاِجْتِهَادِ وَبِالْاِسْتِنْبَاطِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): عبارت کی مکمل تشریح کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جواب

(الف): عبارت با اعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** قیاسِ شرعی، وہ غیر منصوص علیہ میں حکم کا اس وصف کی بناء پر مرتب ہونا ہے جو وصف منصوص علیہ میں اس حکم کی علت ہے۔ پھر وصف کا علت ہونا کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماع اور اجتہاد و استنباط سے پہچانا جائے گا۔

(ج): **تشریح:** مصنفؒ نے قیاس کو شرعی کے ساتھ مقید کر کے قیاسِ لغوی، قیاسِ شبہی اور قیاسِ عقلی کو خارج کیا ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ قیاسِ شرعی غیر منصوص علیہ میں حکم کا ثابت ہونا ہے یعنی جس کے بارے میں نص وارد نہ ہو اس میں حکم کا ثابت ہونا ہے اس وصف کی بناء پر جو وصف، منصوص علیہ کے اندر اس حکم کی علت ہے۔

قیاس کی اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس کا مدار علت پر ہے اور یہی اصل اور فرع میں مشترک ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے حکم اصل سے متعدی ہو کر فرع میں ثابت ہوتا ہے اور منصوص علیہ کے اندر بھی جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ اسی علت کی بناء پر ثابت ہوتا ہے نہ کہ نص کی وجہ سے، نص سے تو صرف علت ثابت ہوتی ہے حکم ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نص سے حکم کی معرفت ہو جاتی ہے۔ یہی مشائخ سمرقند اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے اور مصنفؒ کا مختار مذہب بھی یہی ہے جیسا کہ قیاسِ شرعی کی تعریف سے ظاہر ہو رہا ہے کہ منصوص علیہ میں جس علت کی بناء پر حکم ثابت ہوا ہے اسی علت کی وجہ سے غیر منصوص علیہ میں بھی حکم مرتب ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے قیاسِ شرعی کی تعریف میں علت کی نسبت حکم کی طرف کر دیا ہے "هو علة لذلك الحكم" اور علت سے معلول کا وجود ہوتا ہے، لہٰذا حکم یعنی معلول کا وجود اور ثبوت علت کی وجہ سے ہوگا نہ کہ نص کی وجہ سے، چنانچہ جہاں بھی یہ علت پائی جائے گی وہیں حکم منتقل ہو جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۱) علت: حکم کے ایسے معرِّف کو کہتے ہیں جس پر معلول کا وجود موقوف ہو، علت حقیقۃً مؤثر نہیں ہوتی، مؤثر حقیقی تو ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اور اس تعریف سے علت وعلامت کا فرق بھی واضح ہوگیا کہ علت پر معلول کا وجود موقوف ہوتا ہے اور علامت پر وجود موقوف نہیں ہوتا ہے جیسے زانی کا محصن ہونا رجم کی علامت ہے اور زنا رجم کی علت ہے۔

(۲) علت وہ وصف ہے جو اصل اور فرع کے درمیان جامع ہو اور اسی وصف کی بناء پر فرع مقیس علیہ کی نظیر بن جائے (۳) علت وہ چیز ہے جو شارع کے حکم کا باعث بنے اور علامت حکم کا باعث نہیں بنتی ہے۔

مصنفؒ نے اخیر میں فرمایا کہ علت سے صرف وہ علت مراد ہے جو (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع یا مجتہد کے اجتہاد و استنباط سے معلوم ہو۔ تینوں کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) وہ علت جس کو کتاب اللہ سے مستنبط کیا گیا ہو اور وہ کتاب اللہ سے ثابت ہو یعنی اس علت کی مثال جو کتاب اللہ سے ثابت ہوئی ہے کثرتِ طواف ہے؛ چنانچہ ارشادِ باری ہے: "لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ" کہ تین اوقات یعنی نماز فجر سے پہلے، دوپہر میں اور عشاء کی نماز کے بعد، گھر میں کام کرنے والے غلاموں اور لڑکوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اجازت لے لیں؛ لیکن ان اوقات کے علاوہ دفعِ حرج کی خاطر اجازت لینے کو ساقط کردیا اور اس کی علت کثرتِ طواف ہے یعنی بار باران کا آنا جانا اور ان سے تمہاری ضرورت کا وابستہ ہونا اور خدمت لینا وغیرہ وغیرہ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علت کی وجہ سے سورِ ہرّہ کی نجاست کے حرج کو ساقط کیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الهرة ليست بنجسة فإنها من الطوافين عليكم والطوافات" کہ اگر بلی کے جھوٹے کو ناپاک قرار دیا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

جائے درندہ ہونے کی وجہ سے جیسا کہ حدیث "الھرّۃ سبع" سے ظاہر ہوتا ہے تو لوگ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے۔ پس علت طواف کی وجہ سے دفعِ حرج کو ساقط کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی ناپاک نہیں ہے، لہٰذا اس کا جھوٹا بھی ناپاک نہیں ہوگا۔ اسی علت طواف کی وجہ سے ہمارے علماء احناف نے فرمایا کہ گھر میں رہنے والے تمام جانوروں مثلاً چوہا، سانپ وغیرہ کا جھوٹا بھی پاک ہوگا۔

(۲) اس علت کی مثال جو حدیث سے ثابت ہوئی ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ليس الوضوء على من نام قائمًا أو قاعدًا أو راكعًا أو ساجدًا وإنما الوضوء على من نام مضطجعًا فإنه إذا نام مضطجعًا استرخت مفاصله" اس حدیث میں اللہ کے نبیؐ نے استرخاءِ مفاصل یعنی جوڑ کے ڈھیلے ہونے کو نقضِ وضو کی علت قرار دیا ہے، لہٰذا جن صورتوں میں یہ علت پائی جائے گی وضو ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ٹیک لگا کر سو گیا یا کسی چیز پر تکیہ لگا کر اس طرح سو گیا کہ اگر وہ چیز ہٹا دی جائے تو وہ گر پڑے ان دونوں صورتوں میں استرخاءِ مفاصل کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۳) اس علت کی مثال جو اجماع سے ثابت ہوئی ہے یہ ہے کہ صغیر یعنی نابالغ لڑکے کے حق میں باپ کی ولایت کی علت بالاجماع صغر ہے اس لیے اس علت کی وجہ سے صغیرہ یعنی نابالغ لڑکی کے حق میں بھی ولایتِ اب کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ البتہ شوافع کہتے ہیں کہ صغیرہ کے حق میں ولایت کی علت بکارت ہے نہ کہ صغر۔

قیاسِ شرعی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اصل سے فرع کی طرف متعدی ہونے والا حکم منصوص علیہ کی نوع سے ہو۔ جیسے: عدمِ بلوغ لڑکے کے حق میں نکاح کرنے کی علت ہے تو نابالغ لڑکی کے حق میں بھی ولی کا اختیار اسی علت سے ثابت ہو جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

(۲) وہ حکم منصوص علیہ کی جنس سے ہو۔ جیسے: "لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُوْنَ عَلَیْکُمْ الخ" اسی کثرتِ طواف کی علت سے بلی کے جھوٹے کی نجاست کا حرج ساقط ہو جائے گا۔

(۴۳) أصول الشاشی: ص/۹۶

اَلْحُکْمُ یَتَعَلَّقُ بِسَبَبِهٖ وَیَثْبُتُ بِعِلَّتِهٖ وَیُوْجَدُ عِنْدَ شَرْطِهٖ فَالسَّبَبُ مَایَکُوْنُ طَرِیْقًا اِلَی الشَّیْءِ بِوَاسِطَةٍ کَالطَّرِیْقِ فَاِنَّهٗ سَبَبٌ لِلْوُصُوْلِ اِلَی الْمَقْصَدِ بِوَاسِطَةِ الْمَشْیِ. وَالْحَبْلُ سَبَبٌ لِلْوُصُوْلِ اِلَی الْمَاءِ بِالْاِدْلَاءِ. فَعَلٰی هٰذَا کُلُّ مَاکَانَ طَرِیْقًا اِلَی الْحُکْمِ بِوَاسِطَةٍ یُسَمّٰی سَبَبًا لَهٗ شَرْعًا وَیُسَمَّی الْوَاسِطَةُ عِلَّةً، مِثَالُهٗ فَتْحُ بَابِ الْاِصْطَبْلِ وَالْقَفَصِ.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): عبارت کا مطلب واضح کرتے ہوئے علت اور سبب کا فرق اور تعریف بیان کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت باعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ:** حکم اپنے سبب کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور اپنی علت سے ثابت ہوتا ہے اور اپنی شرط کے وجود کے وقت پایا جاتا ہے۔ پس سبب وہ ہے جو کسی واسطہ کے ساتھ کسی شئی تک پہنچنے کا ذریعہ ہو۔ جیسے: راستہ، پس راستہ چلنے کے واسطہ سے مقصد تک پہنچنے کا سبب ہے اور رسّی ڈول ڈالنے کے واسطہ سے پانی تک پہنچنے کا سبب ہے۔ پس مذکورہ تفصیل کی بناء پر ہر وہ چیز جو کسی واسطہ سے حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہو تو شرعاً اس کا نام سبب رکھا جاتا ہے اور واسطہ کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

نام علت رکھا جاتا ہے سبب کی مثال اصطبل اور پنجرہ کا دروازہ کھولنا ہے۔

(ج): **تشریح:** مصنفؒ ''اُصولِ اربعہ یعنی کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماع اور قیاس کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اس بات کو بیان کر رہے ہیں کہ ان ادلۂ اربعہ سے ثابت ہونے والا حکم کن کن چیزوں سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ فرمایا کہ حکم اپنے سبب کے ساتھ وابستہ رہتا ہے اور اپنی علت سے ثابت ہوتا ہے اور اپنی شرط کے پائے جانے کے وقت پایا جاتا ہے، گویا حکم کا تعلق تین چیزوں سے ہوتا ہے: (۱) سبب (۲) علت (۳) شرط۔

سبب کی تعریف: سبب وہ امر ہے جو واسطہ کے ساتھ کسی شئی یعنی حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہو۔

علت کی تعریف: علت وہ امر ہے جو بلا واسطہ حکم تک پہنچائے۔

شرط کی تعریف: شرط وہ امر ہے جس کے وجود پر حکم کا وجود موقوف ہو۔

سبب اور علت کی مثال: جیسے راستہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کا سبب اور ذریعہ ہے چلنے کے واسطہ سے مثلاً اگر کوئی شخص سڑک پر چل کر اپنے گھر جائے تو سڑک سبب ہے اور چلنا علت ہے اور گھر پہنچنا حکم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کنویں سے پانی نکالنے کے لیے رسّی میں ڈول باندھ کر کنویں میں ڈال دے تو رسّی سبب ہے اور اس میں ڈول باندھ کر اس کو کنویں میں ڈالنا علت ہے اور پانی حاصل کرنا مقصد یعنی حکم ہے، لہٰذا ہر وہ چیز جو کسی واسطہ کے ساتھ حکم تک پہنچانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہو وہ شرعاً سبب کہلاتا ہے اور اس واسطہ کو علت کہتے۔ ہیں مثلاً: اصطبل اور پنجرہ کے دروازہ کو کھولنا اس کے ضائع اور تلف ہونے کا سبب ہے مگر بغیر واسطہ کے نہیں، بلکہ ایک واسطہ کے ساتھ ہے اور وہ واسطہ ہے ان کا از خود نکل کر بھاگنا، لہٰذا دروازہ کھولنا سبب ہے اور دابہ و پرندہ کا نکل کر بھاگ جانا علت ہے اور ضائع و تلف ہونا حکم ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

علت وسبب میں فرق:

علت وسبب میں فرق یہ ہے کہ علت بلا واسطہ حکم تک پہنچاتا ہے اور سبب واسطہ کے ساتھ حکم تک پہنچاتا ہے۔ نیز حکم میں علت مؤثر ہوتی ہے نہ کہ سبب۔ اور اگر دونوں جمع ہوجائیں تو حکم علت کی طرف منسوب ہوتا ہے سبب کی طرف نہیں۔ مثلاً اگر کسی نے بچہ کو گھوڑے پر سوار کیا اور اس بچہ نے گھوڑے کو دوڑایا اور گر کر مرگیا تو سوار کرنے والا ضامن نہ ہوگا، کیونکہ سوار کرنا ہلاک ہونے کا سبب ہے اور گھوڑے کو دوڑانا جو بچہ کا فعل اختیاری ہے اس کے ہلاک ہونے کی علت ہے؛ لہٰذا حکم علت کی طرف منسوب ہوگا اور وہ شخص ضامن نہیں ہوگا۔

(۴۴) اُصول الشاشی: ص/۹۸

وَكَذٰلِكَ تَعْلِيقُ الْحُكْمِ بِالشَّرْطِ كَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ يُسَمّٰى سَبَبًا مَّجَازًا وَأَنَّهُ لَيْسَ بِسَبَبٍ فِي الْحَقِيقَةِ لِأَنَّ الْحُكْمَ إِنَّمَا يَثْبُتُ عِنْدَ الشَّرْطِ وَالتَّعْلِيقُ يَنْتَهِي بِوُجُودِ الشَّرْطِ فَلَايَكُوْنُ سَبَبًا مَعَ وُجُوْدِ التَّنَافِي بَيْنَهُمَا.

(الف): اعراب لگائیے۔

(ب): ترجمہ کیجیے۔

(ج): "کذٰلک" کا مشارٌ الیہ متعین کرکے عبارت کی مکمل تشریح کیجیے۔

جواب

(الف): عبارت بااعراب سوالیہ عبارت میں ملاحظہ کریں۔

(ب): **ترجمہ**: اور اسی طرح حکم کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جیسے طلاق اور عتاق کہ اس تعلیق کا نام مجازاً سبب رکھا جاتا ہے، حالانکہ تعلیق درحقیقت سبب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

نہیں ہے، اس لیے کہ حکم شرط کے پائے جانے کے وقت ثابت ہوتا ہے اور تعلیق وجودِ شرط سے ختم ہو جاتی ہے۔ پس تعلیق سبب نہ ہوگا، تعلیق اور حکم کے درمیان منافات پائے جانے کے ساتھ۔

(ج): **تشریح**: وكذلك أي مثل اليمين. یعنی جس طرح مجازاً یمین کو کفارہ کا سبب قرار دیا جاتا ہے اور کفارۃ الیمین کہا جاتا ہے، حالانکہ یمین در حقیقت کفارہ کا سبب نہیں ہے، کیونکہ سبب اپنے مسبب کے وجود کا منافی نہیں ہوتا، جبکہ یمین وجوبِ کفارہ کا منافی ہے، کیونکہ جب تک یمین باقی رہتی ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا اور جب قسم ٹوٹ کر ختم ہو جاتی ہے اور حانث ہونا ثابت ہو جاتا ہے تب جا کر کفارہ واجب ہوتا ہے۔

اسی طرح حکم کو شرط کے ساتھ معلق کرنا مثلاً طلاق اور عتاق کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر کے یہ کہنا "إن دخلت الدار فأنت طالق" یا "إن شربت الماء فأنت حر" تو اس تعلیق کو مجازاً حکم یعنی طلاق اور آزادی کے وقوع کا سبب کہہ دیا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں تعلیق سبب نہیں ہے، کیونکہ سبب اپنے مسبب کے وجود کا منافی نہیں ہوتا، حالانکہ یہاں تعلیق اور حکم میں منافات ہے، کیونکہ جب تک تعلیق باقی ہے حکم ثابت نہیں ہوگا، بلکہ حکم اپنی شرط یعنی دخولِ دار اور شربِ ماء کے پائے جانے کے وقت ثابت ہوگا اور جب شرط پائی جائے گی تو تعلیق ختم ہو جائے گی۔

کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ دخولِ دار اور شربِ ماء کے پائے جانے کے وقت طلاق اور عتاق پائی بھی جائے اور معلق بھی رہے، لہٰذا وجودِ شرط سے تعلیق ختم ہو جائے گی اور حکم ثابت ہو جائے گا اسی کا نام منافات ہے کہ حکم کا ثبوت تعلیق کے ختم ہونے کے بعد ہو، لہٰذا تعلیق اور حکم کے درمیان منافات پائے جانے کے ساتھ ساتھ تعلیق، حکم کا سبب نہیں ہوگا، بلکہ تعلیق کو تو مجازاً سبب کہہ دیا جاتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551

My Telegram Channel : New Madarsa

ڈاک اور ٹرانسپورٹ سے کتابیں منگوانے کے لیے رابطہ کریں

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

Maktaba Sautul Quran Deoband

9358911053, Ph. 01336-223460

website: www.deobandtoday.com/sautul-quran

Website: NewMadarsa.blogspot.com
9045272713 , 9359351551